MARCH 2021

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

کووڈ ۱۹۔ آن لائن نظام تعلیم کے دور کا آغاز

امام احمد رضا کی فوز مبین کی جدید اشاعت

انکسار افق، اعلی حضرت کے فن توقیت کا ایک باب

سفر معراج کے معجزاتی پہلو

بی جے پی کا کردار، قومی خدمات یا مذہبی جذبات

کورٹ کچہری یا دار الافتاء ودار القضا؟

₹20

MAKTABA RAZA-E-MUSTAFA

422/Matia Mahal Urdu Market DELHI-6 Ph: 8090753792 / 8957612816

تعداد	اسمائے کتب	قیمت
	ہماری مطبوعات	
	کنزالایمان	نیٹ 200
	قرآن آرٹ 3 نمبر	نیٹ 200
	قرآن سادہ 3 نمبر	نیٹ 150
	دلائل الخیرات	نیٹ 90
	پاکستانی پنج سورہ	نیٹ 70
	مصنف اعظم نمبر (امام احمد رضا کے ۲ سو علوم پر مشتمل)	800
	امام احمد رضا اور علم کلام (الٰہیات)	250
	امام احمد رضا اور علم کلام (نبوات)	زیر طبع
	امام احمد رضا اور علم کلام (سمعیات)	زیر طبع
	حیات صدر الشریعہ	60
	علم حدیث میں صدر الشریعہ کی تحقیقات	100
	تذکرہ تاج الشریعہ	60
	تنویر الآثار	70
	تفہیمات (شرح مرقات)	160
	تفہیم الکبریٰ (شرح کبریٰ)	60
	مصباح التنویر (شرح نحو میر)	50
	ولولہ انگیز تقریریں (اول)	120
	ولولہ انگیز تقریریں (دوم)	زیر طبع
	کتاب الحج	70
	اسلامی اخلاق و آداب	170
	جنتی زیور (اردو)	200
	جنتی زیور (ہندی)	200
	سنی بہشتی زیور	200
	سیرت مصطفیٰ	240
	قانون شریعت مکمل	220
	جاء الحق	250
	احکام شریعت	180

تعداد	اسمائے کتب	قیمت
	عزیز القاری	300
	قرأت کورس مکمل	180
	البشیر برد التحذیر	60
	شمع شبستان رضا	200
	اعمال رضا	180
	گمراہ فرقوں کے عقائد	80
	دیگر اداروں کی مطبوعات	
	درس بخاری (مکمل دو جلدیں)	800
	خطبات محدث کبیر (مکمل)	230
	معرکہ حق و باطل	100
	فتاویٰ امجدیہ (چار جلد مکمل)	1600
	حج و عمرہ کے فضائل و مسائل	100
	طیب الاثار فی شرح تنویر الاثار	100
	کشف الاستار (شرح معانی الآثار) مکمل ۲ جلدیں	500
	فیوض امجدی	60
	صدر الشریعہ حیات و خدمات	زیر طبع
	خطبات بنگال	35
	خطبات نیپال	35
	آسان تقریریں (اول)	40
	آسان تقریریں (دوم)	40
	اسلامی معلومات	60
	فارسی کی پہلی	20
	میزان الحسن شرح اردو ملا حسن	100
	فارسی کی دوسری	25
	کتاب العقائد	40
	تسہیل المصادر	40
	فیض الادب (اول)	25
	فیض الادب (دوم)	30

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماهنامه

پیغام شریعت دہلی

PAIGHAM E SHARIAT

Monthly

MARCH- 2021 | شمارہ= 2 | جلد 6 | شعبان المعظم ۱۴۴۲

ایک شمارہ کی قیمت 20 روپے، سالانہ زرتعاون 200 روپے، بیرون ممالک کے لئے 50 ڈالر، خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد تکمیل امجدی نے موتی پرنٹنگ پریس 3622 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "پیغام شریعت"
422، فرسٹ فلور، گلی مٹیا محل جامع مسجد دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No.422 1st Floor Gali Matia
Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob 8090753792
Email:Paighameshariat@gmail.com
Bank name: IDFC FIRST BANK A/C Name:Paigam e shariyat
IFSC CODE.IDFB0020123 A/C No 10063056966

ماهنامه **پیغام شریعت** دہلی
مکتبہ رضائے مصطفیٰ دہلی
مکان نمبر ۴۲۲ پہلی منزل گلی مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔۶

فہرست مضامین

(نوٹ)

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

کوڈ۔۱۹۔آن لائن رفاصلاتی نظام تعلیم کے دور کا آغاز

تحریر: فیضان المصطفیٰ قادری

مردے سے زندہ نکالنا اور خبیث سے طیب کو جدا کر دینا اللہ کی شان ہے، جو شب کی تہہ بہ تہہ ظلمتوں کے سینے چیر کر صبح نو کی کرنیں بکھیر دیتا ہے، اور جب چاہے سیئات کو حسنات سے متبدل فرما دیتا ہے۔ خیر سے شر اور اشرار سے اخیار پیدا کر دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ چنانچہ جن چنگیزیوں نے اپنے عہد کے مرکز اسلام بغداد کو تہس نہس کر دیا تھا انھیں کی نسل سے وہ پاسبانِ حرم درآمد ہوئے جو پرچم اسلام دنیا کے آخری کناروں تک لے گئے۔ نائن الیون ہوا جس نے مسلمانوں کے خلاف ایک عالمی محاذ کھڑا کر دیا وہیں اس نے مغربی ماحول میں اسلام کے مطالعہ کا شوق بیدار کیا، اور بھاری تعداد میں لوگ دامن اسلام سے وابستہ ہوئے۔

اس وقت کہا جاتا تھا کہ نائن الیون کے بعد کی دنیا پہلے کی دنیا سے بہت کچھ مختلف ہوگئی ہے۔ اب اس سے واضح تر حقیقت سامنے آگئی ہے کہ کوڈ ۱۹ کے بعد کی دنیا پہلے کی دنیا سے کئی جہتوں سے بدل گئی ہے، اور یہ تبدیلی ہر سطح پر آئی ہے۔ ٹکنالوجی نے ہر چیز کو گلوبل بنا دیا تو اس کی بلا سے یہ بلا بھی گلوبل ہوگئی۔ تاہم اس شر کے بطن سے کچھ خیر کی صورتیں بھی پیدا ہوئی ہیں۔ کچھ مصروف زمانہ لوگوں کو راحتوں کے مواقع میسر آئے، سکون واطمنان کے ساتھ گھریلو زندگی گزارنے کا وقت ملا، دنیا سے کنارہ کشی اور عزلت نشینی کے جو رجحانات صدیوں پہلے صوفیائے کرام کی زندگی میں پائے جاتے تھے خواہی نخواہی اس سے سابقہ پڑا، اس کے فوائد بھی دیکھنے کو ملے، جب کتابوں کے مطالعہ نے تنہائیوں میں حق رفاقت ادا کیا، زندگی اور موت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ پورے سال کی تعلیم تو چوپٹ ہوگئی اور اسی تعلیمی تباہی نے آن لائن مستحکم نظام تعلیم تیار کرنے کا داعیہ پیدا کر دیا۔

اسکول کالج ہوں یا عربی مدارس ومکاتب سب کا نظام بری طرح متاثر ہوا، مہینوں کے تعطل کے بعد آن لائن کلاس کا آغاز بھی ہوا تو بغیر کسی نظم وضبط کے کچھ عصری یا دینی درسگاہوں سے آن لائن کلاس ہوئی بھی تو اس قدر کہ سوشل میڈیا پر گروپس بنا کر ہوم ورک دے دینا اور جمع کرا لینا، یا درس کی ریکاڈنگ شیئر کر دینا۔

مغربی ممالک میں آن لائن کلاسوں کا آغاز بہت پہلے ہو چکا ہے، جو عموماً معذورین کے لیے خاص ہوتا ہے، اور دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں تو آن لائن کلاسوں کا اب تک کوئی مزاج نہ بن سکا۔ اس لیے ایسے ماحول میں اس نظام تعلیم کے مستقبل پر ہزاروں سوالات ہو سکتے ہیں۔ لیکن اب ضرورت ہے کہ آف لائن کلاسوں کے ساتھ مدارس عربیہ میں بھی ایک منظم آن لائن تعلیمی نظام شروع کیا جائے، اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً ''زوم اپلی کیشن'' کے ذریعہ، اس طرح کی کئی ''اپلی کیشنز'' مارکیٹ میں ہیں، ''گوگل کلاس'' خاص اسی مقصد سے مارکیٹ میں لائی گئی، اور بڑا منصوبہ ہو تو اپنی ایک مستقل اپلی کیشن تیار کرائی جا سکتی ہے۔

آن لائن کلاس کی دشواریاں اور فوائد:

دشواریاں: (۱) سب سے بڑا مسئلہ اس طرح کی کلاس کا یہ ہے کہ استاذ اور شاگرد کا ذاتی ربط وتعلق وہ نہیں بن پاتا جو درسگاہ میں بیٹھ کر پڑھنے سے استوار ہوتا ہے، کتنے طلبہ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی افتادِ طبع یا بری صحبت کے سبب تعلیم کے تعلق سے سنجیدہ نہیں ہوتے، لیکن درسگاہ

میں استاذ کے خوف یا رعب سے یا ان کی ہدایات کے احترام میں کتابوں پر توجہ دیتے ہیں، جب درسگاہ سے دور ہوجاتے ہیں تو استاذ کا وہ رعب جاتا رہتا ہے، ایسے طلبہ درسگاہی تعلیم کیے مقابل گھر بیٹھے آن لائن تعلیم سے کچھ زیادہ حاصل نہیں کر سکتے۔

(۲) ایک کلاس کے تمام طلبہ کی حاضری کا بھی مسئلہ ہے، حاضری پھر حاضر دماغی، دونوں میں سے کسی میں بھی کوتاہی ہوئی تو کلاس کرنا نہ کرنا برابر ہوگا۔ طلبہ کبھی آن لائن لاگ اِن کر کے کسی اور کام میں مصروف ہوجائیں تو استاذ کو معلوم کرنا مشکل ہوگا کہ جو طلبہ شامل ہوئے وہ شریک درس بھی ہیں یا نہیں؟ خصوصاً جب بغیر ویڈیو آن لائن لائیو کلاس کا اہتمام کریں۔

(۳) انٹرنیٹ کنکشن کا مسئلہ: ہمارا ملک انٹرنیٹ کنکشن سروسز اور اس کی کوالیٹی میں ابھی بہت پیچھے ہے، نیٹ کنکشن دستیاب کرانے والی کمپنیاں اعلیٰ درجے کی سروس نہیں دے پاتیں، ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ کسی سبب سے نیٹ کنکشن منقطع ہوجاتا ہے، جس کے سبب اس طرح کی کلاسوں میں درس کے ناغے کے امکانات زیادہ ہوسکتے ہیں، اور عین درس کے دوران نیٹ سروس بند ہوگئی تو درس یکا یک بند ہوسکتا ہے، اگرچہ متعین وقت پر لائیو کلاس کرنے کی بجائے درس ریکارڈ کر کے شیئر کیا جائے تو اس میں یہ اندیشہ نہیں رہتا، مگر لائیو کلاس کی بجائے ریکارڈڈ کلاس میں طلبہ کی بے توجہی کی پوری گنجائش رہتی ہے۔

(۴) آن لائن تعلیم میں طالب علم گھر پر تنہا رہتا ہے اور آف لائن میں جماعت کے ساتھ ہوتا ہے، جماعت کے ساتھ تعلیم تنہا تعلیم سے کئی جہتوں سے مختلف ہوسکتی ہے، جماعت میں رہ کر طالب علم دوسروں کو دیکھ کر بھی پڑھائی کی طرف توجہ دے گا، جو تنہائی میں نہ ہوسکے گا، جو بات درس گاہ میں سمجھ نہ آئی دوسرے طالب علم سے پوچھ کر حل کر سکتا ہے جو تنہا پڑھنے میں نہیں ہوسکتا، ہاسٹل کے ماحول میں رہ کر کثیر طلبہ سے ربط و تعلق کی بدولت ایک طالب علم کے اندر علم، عمل، تدریس، تفہیم اور خطابت کے جو جوہر پیدا ہوسکتے ہیں وہ تنہا نہیں ہوسکتے، ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل تبادلہ خیالات اور گفت وشنید سے جو علمی امور میں مشق وتمرن، برجستگی، حاضر جوابی، اور بولنے کا سلیقہ ملے گا وہ گھر بیٹھے تنہا پڑھنے میں کہاں؟

فوائد:

مذکورہ دشواریاں زیادہ تر اس بنا پر رہیں گی کہ آن لائن تعلیم کا جیسا مناسب انتظام درکار ہے ویسا انتظام نہ ہو، اگر آن لائن تعلیم کا انتظام مستحکم بنیادوں پر ہو تو جو نقصانات اوپر شمار کیے گئے ان میں اکثر سے بچا جاسکتا ہے۔ اور اس کے فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

(۱) گھر بیٹھے تعلیم کا حصول:

حصول تعلیم کے لیے گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے، ماں باپ، بھائی بہنوں سے دوری اور گھریلو ماحول سے علاحدگی اختیار کرنی پڑتی ہے، جو یقیناً بڑی قربانی ہے، ایک طالب علم کی زندگی میں یہ موقع بڑا صبر آزما ہوتا ہے، لیکن آن لائن تعلیمی نظام میں اس قربانی کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ اگر طالبِ علم حصولِ علم کے لیے سنجیدہ ہوجائے تو یہ اس کے لیے بہت بڑی نعمت ہے کہ گھریلو ماحول اور سہولیات کے ساتھ اسے تعلیم مل جائے۔

(۲) اخلاقی بگاڑ سے حفاظت:

ہاسٹل میں رہ کر طلبہ اچھائیوں سے زیادہ برائیاں سیکھتے ہیں، خصوصاً کم عمر بچوں کے اندر بڑے بچوں کی صحبت سے شر وفساد اور بیجا ئیاں پنپنے لگتی ہیں، ایسا ممکن ہے کہ والدین اپنے بچوں کو جس ماحول میں پروان چڑھانا چاہتے ہیں ہاسٹل میں وہ پاکیزگی، پارسائی اور شفافیت نہ ملے، جس کی بنا پر ہوسکتا ہے کہ بچے جو اچھائیوں سے زیادہ برائیاں سیکھتے ہیں تعلیم میں تو ترقی کریں لیکن اخلاق وکردار کے اعتبار سے تباہ ہوجائیں۔ گھر بیٹھے آن لائن تعلیم میں اس شر سے حفاظت ہوجاتی ہے، اور ماں باپ جن اخلاقی خرابیوں سے اپنی اولاد کو بچانا چاہتے ہیں وہ گھر پر تعلیمی ماحول دے کر اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔

(۳) صحت کی حفاظت:

گھر سے دور رہ کر طالب علم والدین کی نظر میں نہیں رہتا، اور اس کی صحت کے تعلق سے والدین جس قدر سنجیدہ ہوتے ہیں کوئی اور نہیں ہوسکتا، ہاسٹل میں رہ کر مطبخ کے کھانے کا معیار گھر کے کھانے کے مقابل بہت گرا ہوتا ہے اور تعلیمی دورانیہ ہی ایک طالب علم کی زندگی کا وہ وقت ہوتا ہے جب اس کا جسم اچھی غذا سے مضبوطی اور توانائی حاصل کرتا ہے۔ گھر پر رہ کر پڑھنے کے مواقع مل جائیں تو اس سے والدین کے لیے اپنی اولاد کی صحت و توانائی کے حوالے سے یہ پریشانیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

(۴) کچھ ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جو تنہا ہوتے ہیں تو اپنے کاموں میں سنجیدہ ہوتے ہیں لیکن دو چار دوست ساتھی مل جائیں تو کھیل کود کا مزاج بن جاتا ہے اور شرارت سوجھنے لگتی ہے، پھر زیادہ تر وقت گپ شپ اور کھیل کود میں گزار دیتے ہیں، ایسے طلبہ درسگاہ میں بھی پیچھے بیٹھ کر درس سننے کی بجائے وقت گزاری کرتے رہتے ہیں، امتحان قریب آنے پر پاسنگ نمبر کے حصول کی قدر تیاری کر لیتے ہیں باقی طالب علمی زندگی کا زیادہ تر وقت بیہودہ کاموں میں ضائع کرتے رہتے ہیں، یہ سب معاملہ بری صحبت کی بنیاد پر ہوتا ہے، گھر بیٹھے آن لائن تعلیمی سہولیات میسر آئیں تو اس قسم کی خرابیوں اور تضییع اوقات سے صاف بچ جائیں گے۔

(۵) آن لائن نظام میں لائیو کلاس کے بعد اگر کلاس کی ریکارڈنگ بھی طلبہ کے ساتھ شیئر کردی جائے تو جو باتیں انھیں سمجھ میں نہ آئیں ان کو دوبارہ سن کر سمجھ سکتے ہیں اور نوٹ بھی کر سکتے ہیں، یہ سہولت درسگاہ میں حاصل نہیں۔

(۶) درسگاہ کی حاضری ضروری ہونے کے سبب ایسا بہت ہوتا ہے کہ مختلف ضرورتوں کے سبب یا بلا وجہ بھی طلبہ درس گاہ سے غیر حاضر ہوتے ہیں، اگر خاص فیصد میں حاضری ضروری نہ قرار دی جائے تو طلبہ زیادہ تر درسگاہ سے غیر حاضر ہی رہیں گے۔ درس چھوٹ جانے سے جو نقصان ہوتا ہے اس کی تلافی ہرگز نہیں ہوسکتی، آن لائن کلاس میں اگر طالب علم سنجیدہ ہے تو ایسا کر سکتا ہے کہ کبھی کہیں جانا ہے تو اپنی کتاب اور لیپ ٹاپ ساتھ لے جائیں اور وقت پر وہیں سے کلاس میں شرکت کرلیں۔ اور اگر کلاس کے بعد اس کی ریکاڈنگ فراہم کرادی جائے تو دوسرے وقت میں سن کر نقصان کی پوری تلافی کرلیں، یہ سہولت آن لائن تعلیم میں ہی مل سکتی ہے۔

بہرکیف، حصول علم کے لیے جو طلبہ سنجیدہ اور بالغ نظر ہیں ان کے لیے فاصلاتی تعلیم مفید ہے اور جن میں اس تعلق سے سنجیدگی اور اخلاص نہیں ہے ان کے لیے اس سے کچھ زیادہ حاصل ہونے والا نہیں۔

مذکورہ دشواریوں اور فوائد سے قطع نظر ''آن لائن نظام تعلیم'' اس دور کا تقاضا ہے، اگر اس تقاضے کو پورا کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو نئی نسل بڑی تعداد میں ہمارے ہاتھوں سے نکل کر غیروں کی جھولی میں جاسکتی ہے۔ کیوں کہ نئی نسل آن لائن اور نیٹ ورکنگ سسٹم کی بہت دلدادہ ہے، اگر ہم نے اس طرف بروقت توجہ نہ دی تو جہاں کہیں وہ آن لائن مستحکم نظام دیکھیں گے انھیں سے وابستہ ہوجائیں گے۔

اصل میں ٹکنالوجی پر مسلمانوں کا کچھ کنٹرول نہیں، نہ تو اس طور پر کہ ہم کسی ٹکنالوجی کو مارکیٹ میں آنے سے روک دیں، نہ اس اعتبار سے کہ جب وہ مارکیٹ میں آجائے تو ہماری زندگی اور ہمارے معاشرے کو متاثر نہ کرسکے۔ سوچنا اس وقت ہوتا ہے جب وہ ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہوتی ہے، کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا اسے بالکل نظر انداز کردینا چاہیے؟ یا پھر اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہیے؟، اگر نظر انداز کردیں تو اپنوں کو اس کے برے اثرات سے تو بچالیں گے، لیکن کب تک؟

آن لائن انسٹی ٹیوٹ:

ان تفصیلات کا مقصود یہ ہے کہ اس دور میں آن لائن انسٹی ٹیوٹ کا قیام ضروری ہوگیا ہے، اس سے پہلے اس کی اہمیت اور اس کے کچھ فوائد و نقصانات ہم نے ذکر کردیے تاکہ جو لوگ اس جہت میں پیش قدمی کرنا چاہیں یہ سارے پہلو اُن کے پیش نظر رہیں۔ اگر یہ کام بڑے

ادارے کریں تو ان کے لیے آسانی ہوگی، کیوں کہ ان کے پاس جگہ اور اساتذہ کی ایک تربیت یافتہ ٹیم ہوتی ہے۔ اگرچہ ان اساتذہ کو بھی آن لائن تدریس کے لیے کچھ اضافی تربیت کی ضرورت ہوگی۔ کیوں کہ درس گاہ میں طلبہ کی موجودگی میں پڑھانا الگ فن ہے اور فاصلاتی کلاس دینا الگ فن ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک کا ماہر دوسرے میں بھی اپنے وہی جوہر دکھا سکے۔ اس لیے آن لائن تدریس کے لیے کچھ تکنیکی تربیت لینا ضروری ہے۔

پورے ملک کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے درجنوں آن لائن انسٹی ٹیوٹ کی ضرورت ہے، جو مختلف فارمیٹ میں اور مختلف اوقات میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ یہ وقت کی آواز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو دینی وعلمی خدمات کے جذباتِ فراواں عطا کیے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اس پر سنجیدگی سے غور کریں، ورنہ اغیار جن کے پاس وسائل ہیں وہ اس طرف بڑھ گئے اور نظام تعلیم کے اعتبار سے اطمنان بخش چیز منظر عام پر لائے تو ہمارے بچے ان کے جال میں پھنس سکتے ہیں۔

نصاب تعلیم ونظام تعلیم:

تمام مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم تقریباً یکساں ہے، اور اپنے اہداف کے اعتبار سے ان میں کچھ کمی نہیں ہے۔ ہاں اس میں عصری علوم کی شمولیت کی بات ہمیشہ کہی جاتی رہی ہے، اس دور میں ان عصری علوم کی شمولیت زیادہ اہمیت اختیار کرتی جارہی ہے۔ دور حاضر میں علمائے کرام کو جس سطح پر اسلامی افکار ونظریات اور شرعی مسائل کی توضیح وتشریح کرنی ہوتی ہے اس میں عصری علوم سے کچھ شامل ہو جائیں تو ان کے لیے اپنا کام بہت آسان اور موثر ہو جائے گا۔ ان عصری علوم سے راقم الحروف کے نزدیک کم از کم پانچ کی شدید ضرورت ہے۔ (۱) فزکس (۲) بایولوجی (۳) جغرافیہ (۴) علم ہندسہ (Geometry) (۵) اور علم الحساب (Mathmatics)

ان علوم خمسہ میں سے ہر سال ایک علم کا انتخاب کیا جائے اور پورے سال صرف ایک گھنٹی اس کے لیے مختص کر دی جائے جس میں اس کے مبادیات پھر متوسطات تک پڑھا دیا جائے، تا کہ طالب علم کو اس فن میں بقدر ضرورت بصیرت حاصل ہو جائے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارا فارغ التحصیل کسی بھی تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے کسی میدان میں گونگا اور نابلد نہ رہے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دینی علوم میں اِن عصری علوم کی جگہ جگہ ضرورت پڑتی ہے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی دینی وعلمی تحقیقات میں بیشمار عقلی علوم سے مدد لی ہے۔

یہ عصری علوم مدارس عربیہ میں اب تک اس وجہ سے شامل نہ ہو سکے کہ انھیں یہ سوال پریشان کرتا رہا کہ ان علوم کا معلم کون ہو؟ اور کتاب کون سی استعمال کی جائے؟۔ مدارس عربیہ کے طلبہ جس اندازِ تدریس کے عادی ہیں کالج کے معلمین کا اندازِ تدریس ان سے میل نہیں کھاتا، اور خود کالج کے ٹیچرس اپنے تلامذہ کے جس طرزِ عمل کے عادی ہوتے ہیں وہ انھیں مدارس عربیہ میں نہ مل سکے گا، پھر اس قدر اجنبیت کے احساس کے ساتھ کوئی مفید تدریسی سلسلہ جاری رکھنا مشکل امر ہے۔

ہمارے نزدیک اس کا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ اس کے لیے ایک فارغ التحصیل عالم کو جو انگریزی زبان جانتے ہوں ایک سال کے لیے ان عصری علوم خمسہ میں سے ایک علم سیکھنے پر لگا دیا جائے، پھر وہی اس کی تدریس کریں۔ کتاب انگریزی زبان میں ہو، اور ایسی کتاب کا انتخاب کیا جائے جو کسی قریبی کالج میں زیر درس ہو۔ ایک سال میں بس ایک ہی فن پڑھایا جائے تا کہ درس نظامی متاثر نہ ہو، ہو سکے تو فن کی کم از کم دو کتابیں مکمل پڑھائی جائیں، ایک ابتدائی اور دوسری متوسط۔

ہم بذات خود اس سلسلے میں سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں، اور ان شاء اللہ عن قریب آن لائن نظام تعلیم ایک نئے نصاب تعلیم کے ساتھ متعارف کرائیں گے، ہمارے نصاب تعلیم میں مکمل درس نظامی کے ساتھ عصری علوم سے پانچ سے آٹھ فنون تک شامل ہوں گے۔ اور اس

نظام تعلیم کے چار فارمیٹ ہوں گے۔ جس کا مختصر خاکہ یہ ہے:

(۱) مختصر اصلاحی کورس: وقت: ایک گھنٹہ، مدت: مختلف۔ یہ کورس مختلف موضوعات کے لیے خاص ہوگا، جن کی ضرورت عوام، طلبہ یا فارغین یا ائمہ کو ہوسکتی ہے، مثلاً: ترجمہ قرآن کریم، صرف ونحو، منطق، فلسفہ قدیمہ وجدیدہ، فقہ العبادات، فقہ المالیات، علم المیراث، رسم المفتی، فن توقیت، وغیرہ۔ یہ کورس مختصر مدت کے لیے ہوگا، موضوع کے اعتبار سے اس کی مدت چار ہفتوں سے لے کر تین ماہ تک ہوسکتی ہے۔ اور اس میں داخلے کے اہل وہی لوگ ہوں گے جو مدارس عربیہ یا اسکول سے کسی خاص کورس مثلاً عالمیت یا انٹرمیڈیٹ کر چکے ہوں۔

(۲) علوم واجبہ کورس: وقت: دو گھنٹے، مدت: دو سال۔ یہ کورس ان امور پر مشتمل ہوگا جن کا علم ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ جن میں یہ چار ضروری موضوعات ہوں گے: عربی زبان، عقائد، فقہ، تصوف۔ اہلیت: اردو یا انگلش کسی ایک زبان میں مہارت ہو اور عمر پندرہ سال سے کم نہ ہو۔

(۳) عالم کورس۔ وقت: تین گھنٹے، مدت: چار سال۔ اہلیت: یہ کورس ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ گریجویٹ طلبہ کے لیے۔

(۴) تخصص فی علوم الدین، وقت: پانچ گھنٹے، مدت: دس سال۔ تفصیل یہ ہے: اعدادیہ (دو سال)، وسطانیہ (دو سال)، عالمیت (دو سال)، فضیلت (دو سال)، تخصص (دو سال)۔ داخلے کی اہلیت: ناظرہ اور اردو خوانی، عمر دس سال

پہلے تینوں کورس کے اوقات امیدواروں کی سہولت کے مطابق مختلف موسم میں مختلف ہوں گے، مثلاً دو پہر بعد یا شب میں۔ لیکن چوتھا کورس معمول کے اوقات میں یعنی صبح سے دو پہر تک۔

خصوصیت: اس دس سالہ کورس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شروع سے آخر تک پورا نصاب اس نظام کے ساتھ مکمل کرنے والا عصری اور دینی علوم میں سے کسی ایک علم یا فن سے بیگانہ اور نابلد نہ ہوگا، اور کسی ایک موضوع مثلاً اصول دین، علوم قرآن، فقہ وافتا، یا علوم حدیث کا ماہر ہوگا۔

مدارس عربیہ میں جو کچھ تعلیم وتربیت کا نظم ہے اس سے ہماری قوم کا بس ایک طبقہ مستفید ہو رہا ہے جو دینی علوم کو ہی اپنا کیریر بنانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ حالانکہ دینی علوم میں کچھ تو فرض عین ہیں اور کچھ فرض کفایہ، لیکن باقی کروڑوں مسلمان اس سے خود کو مرفوع القلم سمجھتے ہیں، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے لیے انتظام نہیں ہے۔

آن لائن نظام تعلیم کا بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم اس سے ملک کے ہر طبقے کے مسلمانوں کی علمی ضرورت کی کفالت کر سکتے ہیں، خواہ وہ عصری درسگاہوں کے طلبہ ہوں یا تجارت پیشہ افراد اور ملازمین یا فارغ بیٹھے عوام الناس، ہر طبقے کے لیے ان کے حسب حال فارمیٹ دینا ہوگا، پھر علم کا بول بالا ہوگا اور اس کی روشنی گھر گھر پہنچ سکے گی۔ وباللہ التوفیق

فیضان المصطفیٰ قادری

Faizanulmustafa@yahoo.com

امام احمد رضا کی معرکۃ الآرا تصنیف

’’فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین‘‘ کی جدید اشاعت کی ضرورت

تحریر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (کراچی) ☆

امام احمد رضا خاں قادری بریلوی کے زمانہ حیات (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء) میں سائنس کی دنیا اپنی ترقی کی منزلیں تیزی سے عبور کر رہی تھی۔ دنیا کے نامور غیر مسلم سائنس دان اپنی ایجادات کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلامی نقطہ نظر سے دور کر کے اپنے نظریات کی طرف مائل کر رہے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں انگریز کے تسلط کے باعث ایسے تعلیمی ادارے قائم کیے جارہے تھے، جہاں قرآن وحدیث کے مخالف نظریات کی اشاعت کی جارہی تھی۔

امام احمد رضا نے ۱۸۷۰ء میں عالم دین بننے کے بعد اس ماحول میں رہتے ہوئے نہ صرف ایسے لوگوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے قلم اٹھایا، بلکہ اس زمانے کے سائنسی نظریات میں جو جو نظریہ انھوں نے باطل پایا، اس کا بھی رد کیا۔ اور ایک مسلمان سائنسداں کی حیثیت سے آپ نے اس زمانے میں متعدد سائنسی علوم کے حوالے سے تصانیف قلمبند فرمائیں، جو کہ سائنسی انداز میں لکھیں۔ امام احمد رضا نے تن تنہا ایک عظیم ترین سائنسداں کی حیثیت سے اسلام کے نظریات کی روشنی میں اپنے سائنسی نظریات پیش کیے۔ کاش کہ ان کی وہ تصنیفات اسی وقت شائع ہو کر ان سائنسدانوں کے ہاتھ تک پہنچ جاتیں، تو وہ یقیناً ان نظریات کو صحیح پا کر ان ہی کو آگے پروان چڑھاتے، مگر افسوس کہ اس وقت ہمارے لوگوں سے لاپرواہی ہوئی اور دنیا کے سامنے ہم ایک منفرد سائنسداں کو پیش کرنے میں ناکام رہے، جو سائنس کے مختلف فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

امام احمد رضا کے وصال کو اب عیسوی اعتبار سے بھی سو سال ہو چکے ہیں۔ اور ان کی سائنسی موضوعات پر لکھی جانے والی ۲۰۰ سے زیادہ عربی، فارسی اور اردو تصانیف ابھی بھی الماریوں میں بند رکھی ہوئی ہیں۔ دنیا میں کروڑوں رضویوں میں نہ اہل قلم اس طرف توجہ دے رہے ہیں اور نہ ہی اہل ثروت ان اداروں کی سرپرستی فرما رہے ہیں جو یہ کام کروا سکتے ہیں۔ لاریب کہ امام احمد رضا کے علوم نقلیہ پر بہت کام کیا جا چکا ہے۔ ان کی فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف، سیاسی امور، اردو، عربی ادب وغیرہ پر ۵۰ر سے زیادہ تحقیقی مقالات بصورت M.Phil/Ph.D تھیسس لکھے جا چکے ہیں، اور ان پر تحقیق کرنے والوں کے کام کو بریلی شریف سے مولانا مفتی محمد حنیف خاں نے ۲۰ر جلدوں میں بنام ’’جہان امام احمد رضا‘‘ شائع کر دیا ہے۔ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۳ر جلدوں میں لاہور سے رضا فاونڈیشن کے زیر اہتمام ’’فتاویٰ رضویہ‘‘ کو شائع کر دیا ہے۔ اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود علیہ الرحمہ اور مولانا حکیم موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ نے ۳ر دہائیوں تک دنیا بھر میں تعارف بھی کرا دیا ہے۔

لیکن ایک صدی گزر جانے کے باوجود امام احمد رضا خاں بحیثیت سائنسداں ابھی تک متعارف نہ کرائے جا سکے۔ لگتا ایسا ہے کہ مجدد دین وملت کے سائنسی تجدیدی کاموں کا دنیا کے سامنے پیش کرنے کا وقت ان کے وصال کے ۱۰۰ سال کے بعد اب آ گیا ہے۔ شاید وہ اسی وقت کے لیے یہ بات کہہ گئے تھے۔

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں　　مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا
اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے　　دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

☆ سابق ڈین آف سائنس کراچی یونیورسٹی وصدر، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا رجسٹرڈ کراچی

اسی سال ۳۰؍جنوری ۲۰۲۰ میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی چالیسویں سالانہ کانفرنس کے موقع پراحقر نے خطبہ استقبالیہ میں محبان رضا کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ہم کو چاہیے کہ امام احمد رضا کو بحیثیت مسلم سائنسداں پیش کریں اور دنیا میں امام احمد رضا پر تحقیق کرنے اور کروانے والے ادارے اس سلسلے میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

اس موقع پر راقم نے سب سے پہلے امام احمد رضا کی سائنس پر لکھی جانے والی ایک معرکۃ الآرا تصنیف ''فوز مبین در رد حرکت زمین'' پر کام کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ اس کتاب کو جس میں متعدد سائنسی علوم ہیں، اس کو انگریزی زبان میں ترجمہ کرا کر سائنسدانوں کے سامنے پیش کیا جائے، تاکہ زمین کی سکونت سے متعلق مغرب کو ہمارے اسلامی نظریات سے آگاہی ہو، کہ جب اللہ کی کتاب زمین کو ساکن بتارہی ہے تو اس کو سائنسی نظریات سے بھی ساکن قرار دیا جاسکتا ہے، اور یہ ہی کام امام احمد رضا نے اپنی اس کتاب فوز مبین میں کیا ہے۔ ساتھ ہی احقر نے امام احمد رضا کی ایک فرہنگ مرتب کرنے کی بھی تجویز دی تھی کہ یہ بھی کام ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ الحمد للہ ان دونوں تجاویز کو سامعین نے قبول کیا اور اس کا نفرنس کے صدر نشیں جناب علامہ مولانا محمد بشیر فاروق قادری صاحب نے ''سیلانی ویلفیئر ٹرسٹ'' کے چیئر مین بھی ہیں اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور آخر میں اس کام کی تکمیل کے لیے دعائے خیر بھی کی گئی۔

''فوز مبین'' کے انگریزی ترجمہ کی ضرورت واہمیت:

امام احمد رضا کے نزدیک اسلام کے قوانین یعنی قرآن واحادیث کے نظریات حق اور اٹل ہیں، جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں، جب کہ سائنس کی دنیا میں سائنسدانوں کے پیش کردہ قوانین اور نظریات میں برابر تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ ایک نظریہ طویل عرصے کے بعد بھی باطل قرار دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ نیا نظریہ سامنے آجاتا ہے۔ امام احمد رضا کے سائنسی نظریات سے قبل ان کا ایک اہم نظریہ ملاحظہ کریں، اس کے بعد آپ کو فوز مبین کتاب کی سائنسی معلومات سے آگاہی دوں گا۔

امام احمد رضا خاں قادری اپنے ہم عصر پروفیسر حاکم علی نقشبندی (م ۱۹۴۴ء) کو ان کے یک استفسار پر جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''محبّ فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دوراز کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے، سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلے کا اثبات ہو، سائنس کا ابطال واسکات ہو، یوں قابو میں آئے گی۔ اور یہ آپ جیسے فہیم سائنسداں کو باذنہ تعالیٰ دشوار نہیں۔ آپ اسے بچشم پسند دیکھتے ہیں'عین الرضا عن کل عیب کلیلة' اس کے معائب مخفی رہتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل کی عنایت اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت پر بھروسہ کر کے اس کے دعاوی باطلہ مخالفہ اسلام کو بنظر تحقیر ومخالفت دیکھیے۔ اس وقت ان شاء اللہ اس کی ملمع کاریاں آپ پر کھلتی جائیں گی۔ اور آپ جس طرح اب دیوبندیہ مخذولین پر مجاہد ہیں، یوں ہی سائنس کے مقابل آپ نصرت اسلام کے لیے تیار ہو جائیں گے ع ولکن عین السخط تبدی المساویا'' (فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۱۹۵۔۱۹۱ مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے اسی بیان کردہ تحریر کے نتیجے میں کئی مقالات فتوئی کی شکل میں تحریر فرمائے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) الکلمة الملهمة فی الحکمة المحکمة لوهاء الفلسفة المشئمة ۱۳۳۸ھ

(۲) فوز مبین در رد حرکت زمین ۱۳۳۸ھ

(۳) معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین ۱۳۳۸ھ

(۴) نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان ۱۳۳۹ھ

ان تمام تصنیفات میں کتاب'' فوزمبین در ردحرکت زمین'' سب سے اہم کتاب ہے، جب کہ ''معین مبین'' اور ''نزول آیات فرقان'' کسی حد تک اسی کتاب کے ضمنی ابواب ہیں، البتہ الکلمۃ الملھمۃ قدیم فلسفہ کے رد پر ایک اہم تصنیف ہے۔

امام احمد رضا کی تصنیف فوزمبین سب سے پہلے ۸۰ کی دہائی میں غالباً ۱۹۸۸ میں ادارہ سنی دنیا بریلی سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کو ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی علیگ نے جو سنی دنیا رسالے کے مدیر بھی تھے، انھوں نے مخطوطہ کی تبییض تصحیح کر کے مع فرہنگ اور چند نوٹس کے شائع کیا تھا۔ کتاب ادارہ تحقیقات میں خود مرتب کے ذریعہ ۱۹۸۹ء میں موصول ہوئی تھی۔ کتاب کی اشاعت بہت زیادہ معیاری نہ تھی، مگر چھپ کر ضرور سامنے آگئی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس کی خوب پبلسٹی کی جاتی اور ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر کالج اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر حضرات اور سائنسدانوں کے پاس پہنچائی جاتی، مگر نہ بریلی شہر سے باہر نکلی اور نہ چند علما و مدرسین سے یہ باہر گئی۔ گھر ہی گھر میں اس پر خوب داد حاصل کی گئی کہ اعلیٰ حضرت نے کمال کر دیا۔ انھوں نے تمام سائنسدانوں کے موقف کو رد کر کے ثابت کر دیا کہ زمین ساکن ہے۔ مگر نعرۂ ''فیض رضا جاری رہے گا'' کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی۔ دنیا کے کسی کونے میں اس کی علمی بازگشت سنائی نہ دی، اگر چہ دنیا کے کونے کونے میں رضوی صاحبانِ علم وقلم موجود تھے اور موجود ہیں۔ اس کتاب کو شائع ہوئے بھی ۳۰، ۳۵ سال گزر گئے مگر ہنوز ابھی تک یہ مخطوطہ کی ہی صورت میں ہماری الماریوں کی زینت ہے بس۔

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا نے کتاب فوزمبین کی اشاعت کے بعد یہ ارادہ کیا کہ اعلیٰ حضرت کی اس سائنسی کتب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کروا کے شائع کیا جائے اور اہل علم تک ان کو پہنچایا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس سلسلے میں امام احمد رضا کا رسالہ معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین ۱۳۳۸ھ کا بعنوان: A Fair Guide on the Revolving Sun and the Static Earth)

انگریزی ترجمہ جناب نگار عرفانی چشتی صابری صاحب سے کروایا گیا اور ادارہ کی طرف سے ۹ رویں سالانہ کانفرنس کے موقع پر ۱۹۸۹ء میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب میں چونکہ زیادہ دلائل مختلف سیاروں کی چالوں کے باعث دیے گئے تھے اور زیادہ Equations بھی نہیں تھیں، اس لیے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں آسانی سے کر دیا گیا۔ مگر چند اصطلاحات کے صحیح انگریزی ترجمہ نہ ہونے کے باعث اہل علم حضرات کی طرف سے خاطر خواہ پزیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ ہم نے ہمت نہ ہاری اور اسی کے بعد ''فوزمبین'' کا انگریزی ترجمہ کرانے کی کوشش شروع کر دی، اور ایک اردو ادب کے ایسے ماہر سے خدمت حاصل کی جو انگریزی زبان پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے۔ میری مراد ہے عبدالحمید صاحب جنھوں نے اس کا مکمل انگریزی ترجمہ کیا اور ادارہ نے اس کو اپنی ۲۵ رویں سالانہ کانفرنس کے موقع پر شائع کیا، لیکن یہ ترجمہ انگریزی زبان میں بہت ناقص رہا۔ خاص کر جو اس کا متن تھا وہ پورے طور پر انگریزی میں اس لیے منتقل نہ ہو سکا کہ مترجم نے سائنسی علوم کے ماہرین سے ان مقامات پر تبادلہ خیال نہ کیا جو قطعی سائنسی اصطلاحات تھیں جن کے حقیقی مفہوم کو صرف اس علم کے ماہرین ہی جان سکتے تھے اس لیے یہ ترجمہ بالکل بے سود رہا، اور ہم نے اس کی زیادہ پبلسٹی بھی نہ کی، اور اس کی ترسیل روک دی، اور ہم ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ادارہ کے احباب نے اس قسم کی تصانیف کا ترجمہ کروانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی باگ ڈور ۲۰۱۸ء میں فقیر کے حصے میں آئی کہ ادارہ کے صدر قبلہ صاحبزادہ وجاہت رسول قادری ابن مولانا وزارت رسول قادری ابن مولانا مفتی ہدایت رسول قادری خلیفہ اعلیٰ حضرت اپنی طویل بیماری کے باعث ادارہ کی صدارت سے سبکدوش ہو گئے تھے۔ فقیر اول تو امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے اسلامی

کلینڈر کے اعتبار سے ۱۰۰ سالہ عرس رضوی کے سلسلے میں مصروف ہو گیا اور اس کے بعد ڈیڑھ سال تک قبلہ وجاہت رسول کی مسلسل بیماری اور پھر ۲۶ جنوری ۲۰۲۰ء ان کے وصال کے باعث کوئی اہم پیش رفت کرنے سے قاصر رہا۔

الحمدللہ ادارہ کی ۴۰ ویں امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد ادارہ کے لیے مفید ثابت ہوا۔ اور اب ادارہ کی انتظامیہ کا یہ پکا ارادہ ہے کہ امام احمد رضا کے سائنسی علوم پر کام کیا جائے، چنانچہ کانفرنس کے بعد فوز مبین پر کام کرنے کے ابتدا بھی کر دی ہے۔ ملاحظہ کریں کام کرنے کی نوعیت:

آپ جانتے ہیں کہ امام احمد رضا نے فوز مبین میں ۱۰۵ سائنسی دلائل قائم کر کے یہ قرآنی نظریہ ثابت کیا ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج و چاند و دیگر تمام سیارے ستارے گھوم رہے ہیں (کل فلک یسبحون) امام احمد رضا نے اپنے زمانے کے ساتھ ساتھ پہلے زمانے کے سائنسدانوں کا علمی تعاقب کیا ہے۔ دوسری طرف امام حمد رضا نے ۱۰۵ دلائل دیتے وقت سائنسی علوم کی جو اصطلاحات استعمال کی ہیں، وہ قدیم عربی اور فارسی کے الفاظ ہیں، جو عام لغت کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ اس لیے اب تک کوئی اس کو اچھی طرح سمجھ نہ سکا، اور اسی وجہ سے اب تک کوئی اس کو انگریزی زبان میں منتقل بھی نہ کر سکا۔ ہمارا پلان اب کچھ اس طرح ہے:

(۱) اول اس کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے علم توقیت، علم فلکیات، علم ہیئت، علم حساب، علم روشنی گرانی، علم ہندسہ، علم الجبرا، علم اسپیس وغیرہ کے ساتھ ساتھ ماہرین لغت، ماہرین فقہ اور ایسے ماہرین درکار ہیں جو امام احمد رضا کی عبارات کو پڑھ کر سمجھ کر دوسروں کو سمجھا سکیں، تاکہ پھر اس مفہوم کو انگریزی زبان میں منتقل کیا جا سکے۔

(۲) امام احمد رضا نے فوز مبین میں دو طرح کا کام کیا ہے:

(اول) ۱۰۵ دلائل میں سے ابتدائی ۳۵ دلائل میں انہوں نے اپنے ہم عصر اور ماقبل کے سائنسدانوں کے بیان کردہ فارمولے، تھیوری یا نظریات کا تعاقب کرتے ہوئے ان میں جہاں جہاں امام کے نظریہ کے مطابق غلطیاں ہیں ان کو درست کر کے ان ۳۵ مقامات میں اپنے نظریے کو ذہن نشین کرایا ہے۔ اس کے بعد ان ہی ۳۵ نظریات اور فارمولوں کو استعمال کر کے بقیہ ۷۰ دلائل سے زمین کو ساکن بتایا ہے۔

ہماری ٹیم ابتداء ان ۳۵ دلائل کو آپس میں بحث و مباحثہ کے بعد اتنا آسان بنانے کی کوشش کرے گی کہ اس زمانے کے سائنسداں ان ۳۵ ترمیم شدہ اصولوں پر راضی ہو جائیں، یا کم از کم اس بات پر اتفاق کرنے لگیں کہ ہاں ان اصولوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اصل میں یہ ہی ہماری کامیابی ہوگی کہ زمین کو ساکن سمجھنے کے لیے امام احمد رضا کے بتائے ہوئے قواعد قابل عمل ہیں اور ان کے ذریعہ بھی زمین کی حرکت ہونے نہ ہونے پر غور کیا جا سکتا ہے۔ اس ٹیم کی اس کامیابی کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ دنیا کے چیدہ چیدہ سائنسدانوں سے ان اصولوں پر گفتگو ہوگی اور ان کو بتایا جائے گا کہ اگر آپ ان ۳۵ ترمیم شدہ اصولوں کو کسی حد تک صحیح سمجھتے ہیں، تو امام احمد رضا نے ان کو استعمال کرتے ہوئے آگے ۷۰ دلائل زمین کے ساکن ہونے پر استعمال کیے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے تو دو چار دلائل ہی کافی ہوتے ہیں مگر امام احمد رضا کے پاس علم کا اتنا ذخیرہ ہے کہ وہ ۵۰۰ دلائل بھی دے سکتے ہیں۔ یہ کثیر دلائل دنیا کے سائنسدانوں کو نہ صرف تعجب میں ڈال دیں گے، بلکہ وہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اتنا وسیع علم والا سائنسداں آج تک روئے زمین پر نہیں گزرا۔

راقم نے ٹیم تشکیل دے دی ہے اور ہمارے ملک کے ایک نوجوان عالم دین جو علم توقیت اور فلکیات پر عبور رکھتے ہیں ان کو شامل کر کے کام کی ابتدا کی ہے۔ اور ان کے ساتھ دور جدید کے سائنسداں بھی شامل ہیں، اور دنیا کے تمام ملکوں سے رابطہ کیا جا رہا ہے، خاص کر انڈیا کے ان علما سے رابطہ قائم کیا گیا ہے، جو علوم فلکیات اور توقیت میں مہارت رکھتے ہیں، تاکہ امام احمد رضا کی عبارتوں کو پڑھ کر اس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے، (باقی صفحہ ۳۲ پر)

دوسری قسط

شانِ ازواج مطہرات اور شیخ البانی

امہات المومنین سے امکانِ فواحش کے مصادر کا حال

مولانا کوثر امام قادری، مہراج گنج

کتب حدیث میں دو روایتیں مذکور ہیں، ایک واقعۂ افک کی روایت اور دوسرے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور ان کی اہلیہ ''جرادہ'' کے متعلق روایت۔ انہیں روایتوں سے انبیائے کرام کی ازواج مطہرات کے لیے صدور زنا کے امکان کی ذہنیت جنم لیتی ہے جو شیخ البانی اور ان کے ہمنواؤں کی مطلوب ومقصود ہے۔ ان روایتوں میں پہلی روایت سند ومتن ہر دو اعتبار سے صحیح ہے، جب کہ دوسری روایت متن ومشمولات کے اعتبار سے انتہائی غلط و بے بنیاد ہے، پہلے اسے پیش کرتا ہوں، پھر اس کے بعد واقعۂ افک کی روایت پر گفتگو ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت امام نسائی تحریر فرماتے ہیں:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال كان الذي أصاب سليمان ابن داود عليه السلام فى سبب امراة من اهله يقال لها جرادة وكانت احب نسائه اليه وكان اذا اراد ان ياتي نسائه اويدخل الخلاء اعطاها الخاتم، حين اراد الله ان يبتليه فاعطاها الخاتم ودخل الخلاء ومثل الشيطان في صورة سليمان قال: هاتي خاتمي، فاعطته خاتمه فلبسه فلما لبسه دانت له الشيطان والانس والجن وكل شئي، قال فجاء سليمان قال هاتي خاتمي، قالت: أخرج، لستَ بسليمان، قال سليمان: ان ذاك من امر الله، ابتلى به فخرج فجعل غدا قال انا سليمان رجموه حتى يدمون عقبه، فخرج يحمل على شاطئى البحر، ومكث هذا الشيطان فيهم مقيما ينكح نسائه و يقضي بينهم فلما اراد الله عزوجل ان يرد على سليمان ملكه انطلقت الشياطين وجاء وا الى نساء ه فسألوهن فقلن انه لياتينا ونحن حيض وما كان ياتينا قبل ذلک

(سنن کبری للنسائی حدیث نمبر ۱۰۹۲۶)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ابتلا پہنچی وہ آپ کی ازواج میں سے ایک خاتون کے سبب سے پہنچی تھی، جس خاتون کو جرادہ کہا جاتا ہے، وہ آپ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب تھی، آپ جب اپنی ازواج کے پاس آتے یا بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دیتے تھے، تو جب اللہ تعالی نے آپ کی آزمائش فرمانے کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے اپنی انگوٹھی جرادہ کو دیا، اور بیت الخلا میں داخل ہو گئے، دریں اثنا شیطان حضرت سلیمان کی صورت میں ظاہر ہو کر کہا: جرادہ میری انگوٹھی دو، جرادہ نے وہ انگوٹھی دے دیا، تو شیطان نے پہن لیا پھر تمام شیطان، انسان، جنات اور ہر چیز اس شیطان کے تابع ہوگئی۔ راوی نے کہا: حضرت سلیمان بیت الخلا سے نکلے اور فرمایا میری انگوٹھی دو، جرادہ نے کہا: نکلو تم سلیمان نہیں ہو، حضرت سلیمان نے فرمایا: بے شک یہ اللہ کے حکم سے میری آزمائش ہو رہی ہے، اور یہ شیطان لوگوں میں حکمرانی کرتا رہا، سلیمان کی ازواج کے ساتھ صحبت کرتا، اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے سلیمان کو ان کی سلطنت لوٹانی چاہی تو شیاطین چلے گئے اور لوگوں نے کہا کہ یہ عظیم فتنہ ہے جس میں انسان و جنات مبتلا ہیں، پھر لوگ سلیمان علیہ السلام کی ازواج کے پاس آئے، اور ان سے ہمبستری کے متعلق دریافت کیا، تو ازواج نے فرمایا، وہ حالت حیض میں ہم لوگوں کے ساتھ صحبت کرتا ہے حالانکہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ (ملخصاً)

اس روایت کی سند حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک تو صحیح ہے، لیکن حضرت ابن عباس نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں لیا ہے، بلکہ اسرائیلی روایات بیان کرنے والوں سے اخذ کیا، جس کے مضامین اسلام کے مسلم اصولوں کے خلاف اور توھین رسالت ونبوت پر مشتمل ہیں مثلا:

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکمرانی کا دار ومدار ایک کرشماتی انگوٹھی پر تھا۔ انگوٹھی جسے ملی اس کو حکومت منتقل ہوگئی۔

(۲) ایک نبی کی شکل میں شیطان کا متشکل ہوجانا۔

(۳) شیطان کا ازواج مطہرات کے ساتھ زنا کرنا۔

(۴) شیطان کا تخت سلیمان پر مسلط ہوکر جن وانس اور ساری مخلوقات پر حکومت کرنا۔

کیا کسی صاحب عقل کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ خرافاتی مضامین آسکتے ہیں؟، بات دراصل یہ ہے کہ یہودیوں میں دوطبقات تھے، ایک طبقہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تسلیم کرتا تھا، جب کہ دوسرا طبقہ انھیں نبی ماننے سے انکار کرتا تھا، جومنکرین نبوت تھے انھوں نے ان کی تضحیک وتوھین اور منصب نبوت ورسالت کے خلاف روایات گڑھ کر لوگوں میں عام کردیا تھا، جسے علمائے یہود یا تو ان سے سن کر یا ان کی لکھی ہوئی دستاویزات پڑھ کر حاصل کیے تھے، ان علما میں جو مشاہیر تھے اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا وہ مسلمانوں کو اس طرح کی روایتیں استدال کے لیے نہیں، بلکہ یہودیوں کے نظریات جاننے کے لیے بیان کرتے تھے۔

وہ علمائے یہود جنھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور جن کے ذریعہ اسرائیلی روایات کا بڑا ذخیرہ مسلمانوں تک پہنچا ان میں حسب ذیل شخصیات انتہائی اہم ہیں۔

(۱) حضرت کعب الاحبار :انھوں نے بکثرت اسرائیلی روایات بیان کی ہیں۔

حافظ ذھبی نے فرمایا: **ان کعبا جالس اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وکان یحدثھم عن الکتب الاسرائلية** (سیر اعلام النبلا جلد ۳ ص ۴۸۹) حضرت کعب رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھتے تھے اور انھیں اسائیلی کتابوں کی باتیں سناتے تھے۔

حضرت بسر بن سعید کبار تابعین اور رجال ستہ میں سے ہیں فرماتے ہیں:

اتقوا اللہ وتحفظوا من الحدیث فواللہ لقد رأیتنا نجالس اباھریرۃ فیحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ ویحدثنا عن کعب الاحبار ثم یقوم فاسمع بعض من کان معا یجعل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کعب ویجعل حدیث کعب عن رسول اللہ. (سیر اعلام النبلا ۲/۶/۶ بدایہ نھایہ ۸/۱۰۹)

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حادیث کی حفاظت کرو، اللہ کی قسم ہم نے دیکھا ہم لوگ حضرت ابوھریرہ کے ساتھ بیٹھتے تھے، وہ ہم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سناتے اور ہم لوگوں کو کعب احبار کی باتیں بھی سناتے تھے، پھر اٹھ جاتے پھر میں نے اپنے بعض ساتھیوں کو سنا کہ وہ رسول اللہ کی حدیث کو کعب کی طرف کعب کی باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کر دیتے۔

(۲) نوف بکالی ابن امرأۃ کعب:

یہ بھی اسرائیلی روایات خوب بیان کرتے تھے جو کچھ الٹے سیدھے بھی ہوتے تھے، چنانچہ ان کے بارے میں ایک روایت یوں ہے

عن سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس رضی اللہ عنہ ان نوفا البکالی یزعم ان موسیٰ لیس موسی بني اسرائیل انما ھو موسی آخر (فقال (ابن عباس) کذب عدو اللہ ۔(صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۴۰۱)

حضرت سعید جبیر نے فرمایا میں نے ابن عباس سے عرض کیا کہ نوف بکالی کہتا ہے کہ موسیٰ (جو حضرت خضر کے واقعہ میں ہیں) وہ بنی اسرائیل کے نہیں ہیں، بلکہ یہ کوئی دوسرے موسیٰ ہیں۔ تو ابن عباس نے فرمایا: وہ جھوٹا اللہ کا دشمن ہے۔

اس کی شرح میں حافظ ابن حجر نے فرمایا:

قلت ویجوز ان یکون ابن عباس اتھم نوفا في صحة اسلامه (فتح الباری جلد ۸/۴۱۳)

(۳) وھب بن منبہ : یہ مشہور محدث ہمام بن منبہ کے بھائی ہیں اسرائیلی روایت کے ماہر ومنبع تھے۔

حافظ ذھبی فرماتے ہیں:

وروایتہ للمسند قلیلة وانما غزارة علمه فی الاسرائیلیات ومن صحائف اهل الکتاب (سیر اعلام النبلاء ۴/۵۴۵تہذیب التہذیب ۱۱/۴۷)

بہرحال یہ اوران کی طرح دوسرے علماء کی جو اسرائیلی روایات آئیں وہ اگر کتاب وسنت کے موافق ہیں تو وہ لائق قبول ہیں، اور اگر مخالف ہیں تو قابل ردوابطال ہیں، اور مذکورہ روایت بھی ان ہی میں سے ہے، اس لیے ناقدین نے اس کی تردید کی ہے۔

امام قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں جسے امام خازن نے نقل کیا ہے

لایصح ما نقله الاخبار یون من تشبیه الشیطان به وتسلیطه علی ملکه وتصرفه فی امته بالجور فی حکمه وان الشیطان لا یسلطون علی مثله هذا وقد عصم الله تعالیٰ الانبیاء من مثل هذا (تفسیر خازن لباب التاویل ۴/۴۳)

مورخین نے جو نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں، یعنی شیطان کا حضرت سلیمان کی صورت میں ظاہر ہونا اور اسی کا ان کے ملک پہ مسلط ہونا ،اور اس کا ظلم کے ساتھ امت پر حکمرانی اور تصرف کرنا۔ اور بیشک شیاطین ان جیسی چیزوں پر مسلط نہیں ہوتے ،اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو ان چیزوں سے محفوظ رکھا ہے۔

امام نسفی فرماتے ہیں:

واما مایروی من حدیث الخاتم والشیطان و عبادة الوثن فی بیت سلیمان علیه السلام فمن اباطیل الیهود (مدارک التنزیل جلد ۳/ص ۱۵۶)

اور جو روایت کی جاتی ہے اپنی انگوٹھی ،شیطان اور حضرت سلیمان کے گھر میں بت پرستی کی حدیث 'تو وہ یہودی خرافات میں سے ہے۔

امام بغوی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا:

هذا حدیث وهب وقال الحسن ماکان الله لیسلط الشیطان علی نسائه (تفسیر بغوی ۴/۷۰)

یہ وھب کی روایت ہے یعنی اسرائیلیات میں سے ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اللہ کی یہ شان نہیں کہ ازواج انبیاء کرام پر شیطان کو مسلط کرے۔

امام طیبی فرماتے ہیں:

قال الامام هذا باطل من وجوه، احدها ان الشیطان لو قدران یشبه بصورة الانبیاء لزم عدم الوثوق بشی من الشرائع، وثانیها انه لو قدر ان یعامل النبی بهذه المعاملة فغیره اولیٰ وقد قال الله تعالیٰ ان عبادی لیس لک علیهم سلطان (الحجر ۴۲)وثالثها کیف یلیق بحکمة الله ان یسلط الشیطان علی غشیان نسائه، العیاذ بالله، هذه فریة لیس فیه مریة (فتوح الغیب ۱۳/۲۵۷)

امام رازی نے فرمایا کہ یہ روایت چند وجوہ سے باطل ہے، اول: اگر شیطان کا انبیاء کرام کی صورت میں ظاہر ہونا مان لیا جائے تو شریعت کا نا قابل اعتماد ہونا لازم آئے گا۔

دوم: اگر شیطان کا انبیاء کرام کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنا فرض کرلیا جائے تو غیر انبیاء کے ساتھ یہ بدرجہ اولیٰ ممکن ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک میرے بندے تو تیرے لیے ان پر کوئی حکمرانی نہیں۔

سوم: کیسے حکمت الٰہی کے لائق ہوگا کہ شیطان ان کی ازواج کے پاس آنے پر مسلط ہوجائے۔ یہ جھوٹ ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔

ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں:

نقل المفسرون في هذه الفتنة والقائه الجسد اقوالا یجب براء ة الانبیاء منها یوقف علیها فی کتبهم وهي مما لایحل نقلها، واما هي من اوضاع الیهود والزنادقة (البحر المحیط جلد ۹/ص ۱۵۵)

مفسرین نے اس فتنہ اور تخت سلیمانی پر جسم کے ڈالنے کے بارے میں ایسے اقوال نقل کیے ہیں جن سے انبیاء کرام کی برأت واجب ہے ،ایسی روایتیں ان کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن کو نقل کرنا بھی حلال نہیں، اور وہ سب یہودیوں اور زندیقوں کی گڑھی ہوئی باتیں ہیں۔

امام شہاب خفاجی فرماتے ہیں:

ولبعد هذه الرواية عن مقام العصمة لم يذكر ها المصنف (حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی ج ۷/۳۱۰)

اس روایت کو مقام نبوت سے بعید ہونے کی وجہ سے امام بیضاوی نے ذکر نہیں کیا۔

حافظ ابن کثیر نے کہا:

اسناده الى ابن عباس قوى ولكن الظاهر انه انما تلقاه ابن عباس من اهل الكتاب، وفيهم طائفة لا يعتقدون نبوة سليمان عليه السلام فالظاهر انهم يكذبون عليه (تفسیر ابن کثیر ۷/۶۹)

اس کی اسناد ابن عباس تک تو صحیح ہے لیکن ظاہر ہے کہ ابن عباس نے اسے اہل کتاب سے اخذ کیا ہے، اور اہل کتاب میں ایک طبقہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا منکر تھا، تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہی لوگ ان پر افتراء کرتے تھے۔

جاراللہ زمخشری معتزلی نے کہا:

ولقد أبى العلماء المتقنون قبوله وقالوا هذا من اباطيل اليهود. والشياطين لا يتمكنون من مثل هذه الافاعيل وتسليط الله اياهم على عباده حتى يقعوا في تغيير الاحكام وعلىٰ نساء الانبياء حتى يفجروا بهن قبيح (الكشاف ۴/۹۴)

علمائے متقنین نے اس روایت کو قبول کرنے سے انکار کردیا، اور فرمایا کہ یہ یہودیوں کے خرافات ہیں، شیاطین کو اس طرح کے افعال پر قدرت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا شیاطین کو اپنے بندوں پر اس طرح مسلط کرنا کہ وہ احکام الٰہی کو بدل دیں اور شیاطین کو ازواج انبیاء پر اس طرح مسلط کرنا کہ وہ ان کے ساتھ بدکاری کریں فعل قبیح ہے (اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے)

علامہ اسماعیل حقی حنفی فرماتے ہیں:

هذا وان كان مشهورا محررا خصوصا في نظم بعض العرب والعجم لكنه مما منكر جدا ولا يكاد يصح قطعا وذلک لوجوه، أحدها انه ليس في جلوس الجن على الكرسي معنى الالقاء الاان يتكلف. والثاني ان جميع الانبياء معصومون من ان يظهر شيطان بصورهم في النوم واليقظة لئلا يشتبه الحق بالباطل. (روح البیان جلد ۸/۳۴۳)

یہ اگرچہ مشہور اور لکھا ہوا ہے بالخصوص عرب وعجم کے بعض نظموں میں، لیکن اس سے بشدت انکار کیا جاتا ہے، اور وہ چند وجوہ سے بالکل ہی صحیح نہیں، اول کرسی پر جن کے بیٹھنے میں القاء کا معنی تکلف سے خالی نہیں۔ دوم تمام انبیاء اس سے محفوظ ہیں کہ شیطان ان کی صورت میں ظاہر ہو، نہ تو خواب میں نہ تو بیداری میں، تاکہ حق باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ ہوجائے۔

علامہ محمد ابن شنقیطی نے لکھا:

فمايذكره المفسرون في تفسير قوله تعالىٰ: وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ الاية من قصة الشيطان الذى اخذ الخاتم وجلس على كرسي سليمان وطرد سليمان عن ملكه حتى وجد الخاتم في بطن السمكة التي اعطاها له من كان يعمل عنده باجر مطرودا عن ملكه الى آخر القصة، لا يخفى انه باطل لا اصل له، وانه لا يليق بمقام النبوة، فهي من الاسرائيليات التي لا يخفى انها باطلة (اضواء البيان في ايضاح القرآن جلد ۳/ص ۲۵۴)

مفسرین اللہ تعالیٰ کے قول: ولقد فتنا سليمن الاية کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں، یعنی اس شیطان کا واقعہ جس نے انگوٹھی لیا اور حضرت سلیمان کی تخت پر بیٹھ گیا حضرت سلیمان اپنی حکومت سے الگ ہو گئے یہاں تک کہ اس انگوٹھی کو ایسی مچھلی کے پیٹ میں پائے جس کو ان کا رندے نے دیا تھا کچھ اجرت کے بدلے ان کی ملکیت سے دور ہونے کے سبب سے آخر تک۔ یہ اسرائیلیات میں سے ہے، جس کا باطل ہونا مخفی نہیں، نہ تو اس کی کوئی اصل ہے، اور نہ ہی یہ مقام نبوت کے مناسب ہے، یقیناً یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے جس کا باطل ہونا پوشیدہ نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت انتہائی غلط جھوٹ، باطل چیز ہے، جس سے استدلال اور بھی مقام نبوت کے خلاف کسی بھی طرح جائز نہیں بلکہ حرام اشد حرام ہے۔ (جاری)

☆☆☆

"انکسار افقی"

اعلیٰ حضرت کے فن توقیت کا ایک دقیق باب

تحریر: ماہر فلکیات علامہ ابوعبید محمد شہزاد احمد نقشبندی (میانوالی)

سوال:

حضور گذارش یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت کے فتاوی میں دورانِ مطالعہ ایک فتویٰ نظر سے گذرا، اُس کی ایک عبارت کے متعلق چند سوالات تھے، اگر وقت ہو تو کرم نوازی فرمائیں، بندۂ ناتواں کو یقینِ کامل ہے کہ آپ اِن سوالات کے جواب دے سکتے ہیں، آپ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیض سے خصوصی حصہ پایا ہے، نیز ضبطِ تحریر میں آجانے سے مجھ سمیت نامعلوم کتنے اہلِ فن کا بھلا ہو جائے۔ عبارت یہ ہے:

"بالائے زمین ۴۵ میل سے ۵۲ میل تک علی الاختلاف بخارات ہواء غلیظ کا محیط ہونا اور شعاعِ بصر کا پہلے اس ملاء غلیظ پھر اُس کے بعد ملاء صافی میں گزر کر افق میں پہنچنا حکیم عزوجل کے حکم سے اشعہ بصریہ کے لیے موجب انکسار ہوا، جس کے سبب آفتاب یا کوئی کوکب قبل اس کے کہ جانب شرق افق حقیقی پر آئے نظر آنے لگتا ہے، اور جانب غرب با آنکہ افق حقیقی پر اس کا کوئی کنارہ باقی نہیں رہتا' دیر تک ہمیں نظر آتا رہتا ہے۔ یہ انکسار ہی وُہ چیز ہے جس نے صدہا موقتین کو پیچ وتاب میں رکھا اور طلوع وغروب کا حساب ٹھیک نہ ہونے دیا، اور یہی وُہ بھاری پیچ ہے جس سے آج کل عام جنتریوں والوں کے طلوع وغروب غلط ہوتے ہیں۔ اس انکسار کی مقدارِ مدت دریافت کرنے کو عقل کے پاس کوئی قاعدہ نہ تھا جس سے وُہ محتاجِ رؤیت نہ رہتی، ہاں سالہا سال کے مکرر مشاہدہ نے ثابت کیا کہ اس کی مقدار اوسطاً ۳۳ دقیقہ فلکیہ ہے۔"

چند سطور کے بعد۔

"ہوا میں رطوبت یا کثافت اگرچہ انکسار میں کچھ کمی بیشی لاتی ہے جس کا اِدراک تھرمامیٹر اور بیرومیٹر سے ممکن، اور وُہ قبل از وقوع نہیں ہوسکتا، مگر یہ تفاوت معتد بہ نہیں، جس سے عام احکام مطلوبہ شرعیہ میں کوئی فرق پڑے۔"

مزید چند سطور کے بعد۔

یہاں بھی اُسی انکسار کا قدم درمیان ہے کہ کوکب جب تک ٹھیک سمت الراس پر نہ ہو انکسار کے پنجے سے نہیں چھوٹ سکتا، مگر رؤیت نے اِنکسار افقی کلی بتایا اور تناسب سے انکسارات جزئیہ مدرک ہُوئے جن کی جدول فقیر نے اپنے تحریراتِ ہندسہ میں دی ہے۔

سوالات:

☆ اِنکسار کو آسان الفاظ میں سمجھائیے، نیز موجودہ دَور میں اِسے کیا کہتے ہیں؟

☆ سببِ انکسار کیا ہے؟، اگرچہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اِسے آسان الفاظ میں بتایئے۔

☆ اِس کی وجہ سے طلوع وغروبِ آفتاب میں کیا فرق پڑتا ہے؟

☆ اِس کی اَوسط مقدار 33 دقیقۂ فلکیہ بیان فرمائی ہے، لیکن اِس کی کم از کم کتنی ہے اور زیادہ سے زیادہ کتنی ہے؟

☆ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اِس عبارت "رؤیت نے اِنکسار اُفقی کلی بتایا اور تناسب سے اِنکساراتِ جزئیہ مدرک ہُوئے جن کی جدول فقیر نے اپنے تحریراتِ ہندسیہ میں دی ہے" میں اِنکساراتِ جزئیہ کا کیا مقصد ہے اور کیا ہم اعلیٰ حضرت کی تحریراتِ ہندسیہ کا اِستخراج کر سکتے ہیں؟ (واٹس ایپ پر سوال کیا گیا ہے، سائل نے نام نہیں بتایا)

جواب:

اِنکسار Refraction کیا ہے؟

ماہرینِ فلکیات نے جب سورج کے طلوع و غروب کے اَوقات معلوم کرنے کے قواعد اِیجاد کر لیے تو پھر مشاہداتِ متکررہ کا آغاز کیا کہ آیا اِیجاد کردہ قواعد دُرست ہیں، یا نہیں؟ عرصۂ دراز تک اِس شش و پنج میں رہے کہ باوجود قواعد کی دُرستی کے، دیکھتے کہ قواعد سے اِستخراج کردہ اَوقاتِ طلوع سے پہلے سورج نظر آنا شروع ہو جاتا، اِسی طرح وقتِ غروب کے بعد تک سورج دِکھائی دیتا رہتا۔ سالہا سال کے مشاہدات کے بعد عقدہ کشائی ہوئی کہ یہ اِنکسارِ اُفقی کی وجہ سے ہے، جسے اِنگلش میں "Horizontal refraction" کہتے ہیں۔ اِنکسار کا لغوی معنیٰ "ٹوٹنا" ہے۔

سببِ اِنکسار Reason of refraction:

جب نظر ملاءِ کثیف سے گذر کر ملاءِ صافی یعنی جب ہماری نگاہ کثیف واسطہ سے گذر کر لطیف واسطہ میں داخل ہوتی ہے تو بحکمِ خداوندی ٹوٹ جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز نیچے ہوتی ہے وہ اُوپر دِکھائی دیتی ہے۔ جیسے اگر آپ ایک شیشے کے خالی گلاس میں ایک سکہ ڈالیں اور دُور سے اُسے دیکھیں، پھر کسی کو کہیں کہ اُس گلاس میں پانی ڈالے، تو آپ دیکھیں گے کہ جب تک گلاس خالی تھا وہ سکہ نیچے دِکھائی دے رہا تھا، بالفاظِ دیگر وہ اپنی جگہ تھا، پھر جیسے ہی پانی ڈالا گیا تو وہ سکہ اُوپر اُٹھا ہوا نظر آیا۔ اِس کا سبب یہ تھا کہ پہلے آپ کی نظر صرف ہوا اور گلاس سے گذر کر سکہ تک پہنچ رہی تھی، پھر جب پانی ڈالا گیا تو نظر ہوا، گلاس اور پانی سے گذر کر سکہ تک پہنچ رہی تھی، جس کی وجہ سے سکہ آپ کو اُوپر اُٹھا ہوا دِکھائی دیا۔ یہ اِنکسار کا سبب ہے۔

نوٹ:

وائس چانسلر سر ضیاءالدین جب اپنے پیچیدہ ریاضی کے مسئلہ کے حل کے لیے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے تو اُنہوں نے دیگر کئی سوالات کے ساتھ ایک یہ سوال بھی کیا تھا، اور اعلیٰ حضرت نے اُس کا جو جواب دیا اور سمجھانے کے لیے جو مثال دی وہ یہی ہے جو فقیر نے بیان کی ہے۔

اِنکسار کی وجہ سے طلوع و غروب میں فرق اُوپر گذر چکا ہے، وہ یہ کہ: جانبِ غرب قواعد اِستخراجِ اوقات کے لحاظ سے سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے، لیکن پھر بھی دِکھائی دیتا رہتا ہے۔ اِسی طرح جانبِ شرق سورج ابھی طلوع نہیں ہوا ہوتا کہ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔

تحریراتِ ہندسیہ:

اِنکسار کا مشاہدہ صرف غروب یا طلوع کے وقت کیا گیا جو کہ 33 دقیقہ ہے، اِس کے علاوہ سورج سوائے سمت الراس کے ہر لمحے اِنکسار کے پنجے میں جکڑا رہتا ہے۔ سورج جب سمت الراس پر ہوتا ہے تو اُس وقت اِنکسار زیرو ہوتا ہے، اِس کے بعد جیسے ہی یہ جانبِ مغرب ڈھلنا شروع کرتا ہے پھر اِنکسار میں آ جاتا ہے لیکن اِنتہائی خفیف جو کہ کالمعدوم ہوتا ہے پھر جیسے جیسے اُفق کے قریب ہوتا جاتا ہے اِنکسار بڑھتا رہتا ہے۔ اِسے یوں سمجھیے کہ سورج جب سمت الراس پر ہوتا ہے تو زیرو درجے پر ہوتا ہے، پھر جیسے جیسے درجے بڑھتا رہتا ہے اِنکسار بھی بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اُفق پر جب 90 درجے کو پہنچتا ہے تو اِس کا اِنکسار سب سے زیادہ ہوتا ہے جسے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اِنکسارِ اُفقی کلی فرمایا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب طلوع سے سمت الراس تک، یا سمت الراس سے غروب تک زیرو سے 90 درجے کے درمیان کسی درجہ پر جب سورج ہوتا

ہے تو اُس وقت اِنکسار کتنا ہوتا ہے؟، جیسے عصر کے وقت کے لیے روزانہ بُعدِ سمتی بدلتی رہتی ہے، اور اگر کوئی تحقیقی اَوقات نکالنا چاہتا ہے تو وہ انکسار کو اُس خاص درجے پر کیسے معلوم کرے گا؟ تو چلئے ہم اِس کا قاعدہ بیان کرتے ہیں جس کی طرف اعلیٰ حضرت نے اِن کلمات "اور تناسب سے اِنکسارات جزئیہ مدرَک ہُوئے جن کی جدول فقیر نے اپنی تحریراتِ ہندسیہ میں دی ہے" کے ساتھ اِشارہ فرمایا ہے۔

یہاں تناسب سے مراد تناسبِ راست ہے اِس کا مطلب یہ ہے کہ دوعوامل میں سے جب کسی ایک میں اضافہ ہوتو دوسری میں بھی اضافہ ہو، اور اگر ایک میں کمی ہوتو دوسری میں بھی کمی ہو۔ مثلاً اگر 10افراد 20روٹیاں کھاتے ہیں تو 30اَفراد 60 روٹیاں کھائیں گے۔ دیکھئے ایک طرف جب آپ نے افراد کی تعداد بڑھائی تو دوسری طرف روٹیوں کی تعداد بھی بڑھے گی، اِسی طرح اگر آپ افراد کم کریں گے تو اُسی نسبت سے روٹیوں کی مقدار بھی کم ہوجائے گی۔ اِسے تناسبِ راست کہتے ہیں۔ مسئلہ بھی بناتے وقت اِسے اِس طرح لکھا جاتا ہے۔

10: 30:: 20: ?

اِس کو یوں پڑھتے ہیں کہ 10افراد اگر 20روٹیاں کھاتے ہوں تو 30افراد کتنی روٹیاں کھائیں گے؟ درمیان والی دو مقداروں کو "وسطین" اور دائیں بائیں والی مقداروں کو "طرفین" کہتے ہیں۔ اِسے اِس طرح حل کرتے ہیں:

اگر مجہول مقدار طرفین میں ہوتو وسطین کو آپس میں ضرب دے کر طرفِ معلوم پر تقسیم کرتے ہیں۔ اور اگر مجہول مقدار وسطین میں ہوتو طرفین کو آپس میں ضرب دے کر وسطِ معلوم پر تقسیم کرتے ہیں۔ مثالِ مذکور کو حل کرتے ہیں۔ چونکہ مجہول طرفین میں ہے اس لیے وسطین کو آپس میں ضرب دیں گے۔

20×30=600

اب طرفِ معلوم جو کہ 10 ہے اس پر تقسیم کردیں گے۔

600÷10=60

معلوم ہوا کہ 30افراد 60روٹیاں کھائیں گے۔ لیکن Trigonometry میں اِس کا طریقہ تھوڑا سا مختلف ہے۔ اِس کی تفہیم کیلئے ہم مذکورۃ الصدر مثال یعنی جسے معلوم کرنا ہمارا مقصود ہے اُسے بیان کرتے ہیں۔

Sin 90°:Sin 30°::Sin 0°33':Sin?

اِسے ہم یوں پڑھیں گے کہ 90درجے پر اِنکسارِ کلی 33دقیقے ہے تو فرض کریں 30درجے پر ہم نے معلوم کرنا ہے، تو کہیں گے کہ 30درجے پر اِنکسار کتنا ہوگا؟ یہاں چونکہ مجہول مقدار طرفین میں ہے اِس لیے وسطین کو آپس میں ضرب دی۔ اور پھر طرفِ معلوم پر تقسیم کردیا۔ یاد رہے! 90درجے Sin ایک کے برابر ہوتا ہے۔ جسے ہم ایک مرفوع بھی کہتے ہیں۔ قاعدہ کچھ یوں ترتیب پایا۔

Sin?=(Sin 30×Sin 0°33')÷Sin 90

جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا Sin 90=1، اور ایک پر تقسیم سے نتیجہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا اِس لئے قاعدہ صرف اِتنا ہی وجود میں آیا۔

Sin?=(Sin 30×Sin 0°33')

اِسے یوں بھی لکھ سکتے ہیں۔

Sin-1(Sin 30×Sin 0°33')=0°16'29.99''

یعنی جب سورج 30درجے پر ہوگا تو اِنکسار تقریباً 16دقیقے 30ثانیے ہوگا۔ اِسی طرح جس درجہ پر آپ اِنکسار معلوم کرنا چاہتے ہیں اُسے 30 کی جگہ رکھیں۔

اب ہم اعلیٰ حضرت کی جدول تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو آپ نے اپنی تحریراتِ ہندسیہ میں بیان فرمائی ہیں۔ ہمارے پاس وہ جدول نہیں پہنچی، لیکن آپ کے بیان کردہ طریقے سے ہر درجے پر ہم اِس کا اِستخراج کرتے ہیں:

(یہ جدول اگلے صفحہ پر دیکھیں)

مختلف درجہ پر انکسار افقی کی جدول

Deg	Ref	Deg	Ref	Deg	Ref	Deg	Ref
1	0'34.56"	9	5'9.74"	17	9'38.89"	25	13'56.77"
2	1'9.1"	10	5'43.82"	18	10'11.85"	26	14'27.96"
3	1'43.62"	11	6'17.8"	19	10'44.62"	27	14'58.89"
4	2'18.12"	12	6'51.66"	20	11'17.19"	28	15'29.54"
5	2'52.57"	13	7'25.4"	21	11'49.56"	29	15'59.91"
6	3'26.96'	14	7'59"	22	12'21.71"	30	16'29.99"
7	4'1.3"	15	8'32.45"	23	12'53.64"	31	16'59.76"
8	4'35.56"	16	9'5.75"	24	13'25.33"	32	17'29.23"
33	17'58.37"	48	24'31.42"	63	29'24.19"	78	32'16.73"
34	18'27.19"	49	24'54.32"	64	29'39.61"	79	32'23.62"
35	18'55.67"	50	25'16.76"	65	29'54.48"	80	32'29.92"
36	19'23.08"	51	25'38.74"	66	30'8.82"	81	32'35.62"
37	19'51.58"	52	26'0.25"	67	30'22.6"	82	32'40.73"
38	20'19"	53	26'21.29"	68	30'35.82"	83	32'45.24"
39	20'46.04"	54	26'41.85"	69	30'48.49"	84	32'49.15"
40	21'12.71"	55	27'1.91"	70	31'0.59"	85	32'52.47"
41	21'38.99"	56	27'21.49"	71	31'12.12"	86	32'55.18"
42	22'4.87"	57	27'40.56"	72	31'23.09"	87	32'57.29"
43	22'30.35"	58	27'59.13"	73	31'33.48"	88	32'58.79"
44	22'55.41"	59	28'17.18"	74	31'43.3"	89	32'59.7"
45	23'20.06"	60	28'34.72"	75	31'52.53"	90	33'00"
46	23'44.28"	61	28'51.74"	76	32'1.18"		
47	24'8.07"	62	29'8.23"	77	2'9.25"		

سفر معراج کے چند معجزاتی پہلو

تحریر: مولانا نوید اختر امجدی (سری لنکا)

تاریخ انسانی میں معراج کا سفر ایک ایسا سفر ہے جو ہر جہت سے معجزہ ہی معجزہ ہے۔ اس سفر کا مسافر، ہم سفر، اس سفر کی سواری، اس سفر کی مسافت، وقت سفر، ابتدا وانتہا، اور کیفیت سفر، سب ہی ما فوق الفطرۃ ہیں۔ عقل انسانی کے دائرہ سے ماورا یہ ایک ایسا سفر ہے جس کا سفر نامہ خدائے وحدہ لاشریک کی پاک ولاریب کتاب میں صبح قیامت تک کے لیے ان الفاظ میں محفوظ کر دیا گیا کہ ''سبحن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذي بارکنا حوله لنريه من آياتنا انه هو السميع البصير'' لوح محفوظ میں مرقوم، صحیفہ ربانی میں منقوش، حافظ قرآن کے سینے میں اس کے جلوے موجود، اور قاری قرآن کی زبان پر اس سفر کے نغمے سجا دیے گئے، اس سفر کی ہر ہر منزل اور اس کی پوری سرگزشت کو اسلامی تاریخ کی زینت بنا دیا گیا۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر متبرک اور مقدس سفر رہا ہوگا، کب ہوا یہ سفر؟ کیوں ہوا؟ رات ہی میں کیوں ہوا؟ دن میں کیوں نا ہوا؟ اس سفر میں کتنا وقت لگا؟ ہر سوال کے متعدد تشفی بخش جواب موجود ہیں۔

سفر معراج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلا حصہ جو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک ہے اسے اسرا کہا جاتا ہے، اور دوسرا حصہ جو بیت المقدس سے لامکاں تک اسے معراج کہا جاتا ہے۔

سفر معراج بس ایک معجزہ نہیں بلکہ اس میں کئی معجزات موجود ہیں:

شق صدر:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر چار مرتبہ اپنے مخصوص اوقات میں عمل میں آیا، پہلی مرتبہ جب آپ بچپن میں حضرت دائی حلیمہ کے گھر تھے، دوسری مرتبہ دس سال کی عمر پاک میں، تیسری مرتبہ غار حرا میں نزول وحی کی ابتدا میں، اور آخری مرتبہ سفر معراج سے قبل تا کہ آپ دیدار الٰہی کی تجلیات وکلام الٰہی کی ہیبتوں کے متحمل ہو جائیں۔

سفر معراج کی تاریخ:

ماہ وسال اور دن میں اختلاف کے باوجود سب کا اس پر اتفاق ہے کہ واقعہ معراج نزول وحی کے بعد اور ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ اور ابن قتیبہ دینوری اور ابن عبد البر، امام رافعی اور امام نووی نے تحریر فرمایا کہ واقعہ معراج رجب کے مہینے میں ہوا، اور محدث عبد الغنی مقدسی نے رجب کی ستائیسویں تاریخ بھی متعین کردی، اور علامہ زرقانی نے فرمایا کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔ (سیرت مصطفیٰ ص ۵۴۵)

حدیث کی معتبر کتابوں کے علاوہ سیر وتفاسیر کی تقریباً تمام کتابوں میں واقعہ معراج کو پورے شرح وبسط کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، متعدد صحابہ کرام کی مرویات موجود ہیں کہ اس شب حضرت جبرئیل امین چند فرشتوں کے ہمراہ حاضر بارگاہ ہوئے، اور محبوب و محبّ کے وصال کا مژدہ سنایا، اور سفر کی ابتدا سے قبل سینہ مبارکہ چاک کیا گیا، ایک حدیث پاک میں ہے'' فرج سقف بيتي فنزل جبرئيل عليه السلام ففرج صدري'' میرے گھر کی چھت پھٹی اور جبرئیل آئے اور میرے سینہ کو چاک کیا گیا۔ ایک حدیث پاک میں ''فشق صدری'' ہے ایک جگہ ''فشُرح صدری'' ہے، بہر کیف یہ طے ہے کہ حضور کا سینہ مبارکہ قبل از سفر معراج چاک کیا گیا، قلب اطہر کو باہر نکالا گیا، اور زمزم شریف سے قلب انور کو دھویا گیا، اور ایمان وحکمت سے بھرے ہوئے سونے کے طشت کو سینہ مبارکہ میں انڈیل دیا گیا، اس کے بعد سینہ مبارکہ کے چاک کو ملا دیا گیا۔

اس پورے واقعہ کی تفصیل حضور نے خود بیان فرمائی، واقعہ شق صدر اپنی گوناگوں حکمتوں کے ساتھ ساتھ بشریت مصطفیٰ علیہ السلام کے

مقام ومرتبہ کو بھی بیان کر رہا ہے۔

آپ ذرا سوچیں کہ دور حاضر میں ٹیکنالوجی کی ہزار ہا ترقیات کے باوجود اوپن ہارٹ سرجری کا کوئی ایسا واقعہ سامنے نا آیا کہ جس میں متاثر شخص نے اپنے آپریشن کا آنکھوں دیکھا حال خود بیان کیا ہو، بلکہ معاملہ یہ ہے کہ اس سرجری سے قبل بے ہوشی کا انجکشن دیا جاتا ہے، جب تک آپریشن مکمل نہیں ہو جاتا ہر طرح کی احتیاط برتی جاتی ہیں، دورانِ خون اور تنفس کو مسلسل برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، نا جانے کتنی مشینوں سے کام لیا جاتا ہے،اس فیلڈ کے ماہرین اپنی پوری قوت وصلاحیت صرف کر دیتے ہیں ،ان تمام حفاظتی تدبیروں کے باوجود متاثر شخص جراحی کے اس عمل کا عینی گواہ نہیں ہوتا۔ بلکہ آپریشن مکمل ہو جانے کے بعد بھی کئی روز تک اس پر غنودگی کی کیفیت طاری رہتی ہے،اور کئی مہینوں تک احتیاطی تدابیر اس پر مستزاد،اور زندگی بھر سینے کے زخم کا وہ نشان محتاط رہنے کا خاموشی پیغام دیتا رہتا ہے۔

مگر شب اسریٰ کے دولہا ﷺ کی کیا شان ہے ،کہ کھلی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں، کہ یہ میرا دل ہے،اسے زمزم سے غسل دیا گیا،سونے کے طشت سے انوار وتجلیات کا سینہ مبارکہ میں انڈیلا جانا،سینہ مبارکہ کے چاک کو برابر کر دیا جانا،سب خود ملاحظہ فرمایا،اس میں بشریت مصطفیٰ ﷺ کے بے مثل ہونے کی کھلی دلیلیں موجود ہیں،آنکھیں کھلی رہیں اور دل انفعالی کیفیت کا متحمل ہو تو بہت کچھ نظر آ سکتا ہے۔

شق صدر کا یہ واقعہ بیان کر رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی حیات مبارکہ دل کی دھڑکنوں اور قلب کے عملِ دورانِ خون کی محتاج نہیں۔ عام بشر کی حالت یہ ہے کہ اسے اگر ایک سوئی کی نوک بھی چبھ جائے تو پورا جسم متاثر ہوتا ہے۔خون بہنا شروع ہو جاتا ہے،مگر رسول پاک کے شق صدر کے واقعہ میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں کہ آپ نے تکلیف محسوس کی ہو،یا خون مبارک کا ایک قطرہ ہی باہر نکلا ہو،اور نا ہی حضور نے شق صدر کے بعد کسی طرح کی نقاہت محسوس کی، بلکہ تیز رفتار براق پر سوار ہو کر آن بھر میں مکہ مکرمہ سے میلوں دور بیت المقدس پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا:

براق کی رفتار یہ بیان کی گئی کہ اس کا پہلا قدم حد نگاہ پر ہوتا تھا،اب براق کی رفتار کا اندازہ کر سکیں تو کر لیں۔ آئن سٹائن مشہور سائنس داں جس کے بیان کیے قوانین پر آج یونیورسٹیوں میں تحقیقات ہو رہی ہیں،اس کے نزدیک روشنی کی رفتار تین لاکھ کیلومیٹر فی سکینڈ ہے،یعنی نگاہِ بشر اس رفتار کی تاب نہیں لا سکتی،اور نا ہی اس کا تعاقب کر سکتی ہے،ہوائی جہاز اور ٹرین کے مسافرین اس بات کا خوب تجربہ رکھتے ہیں کہ جب ٹرین یا ہوائی جہاز اپنی پوری رفتار سے آگے بڑھتا ہے تو قریب سے گذرنے والی کسی بھی چیز کا اندازہ کر پانا مشکل ہو جاتا ہے،نگاہ گرد ونواح سے گذرنے والی کسی بھی شے کا تعاقب نہیں کر پاتی،جب کہ ٹرین یا ہوائی جہاز کی رفتار کتنی بھی زیادہ ہو آئین سٹائن کی بیان کردہ روشنی کی رفتار سے کوئی نسبت نہیں رکھتی،ایسی رفتار سے کسی چیز کا اندازہ کر پانا تقریبا ناممکن ہے۔تو براق کی رفتار تو روشنی کی رفتار سے ہزار ہا گنا زیادہ ہے، بلکہ حساب لگا لینا بھی ممکن نظر نہیں آتا،مگر براق پر رسول اعظم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:**اتیت لیلة اسری بی علی موسیٰ علیه السلام عند الکثیب الاحمر و هو قائم یصلي فی قبره**، یعنی میں شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب سرخ ریت کے ٹیلے کے پاس پہنچا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے(سنن نسائی)

حدیث پاک کو بار بار پڑھیں ، پانچ چیزیں بظاہر نظر آئیں گی: حضرت موسیٰ علیہ السلام،ان کی کیفیت ،سرخ ٹیلا،رات کا وقت ،قبر کی گہرائی۔

سوال ہے کہ کیا کسی عام بشر کی نگاہ میں یہ طاقت ہے کہ روشنی کی رفتار پر سفر کرتے ہوئے کسی چیز کو اتنی تفصیل سے ملاحظہ کر سکے؟ ہر گز نہیں، یہ نگاہِ مصطفیٰ ﷺ کا معجزہ ہے کہ روشنی کی رفتار سے ہزار ہا گنا زیادہ تیز رفتار سواری براق پر جلوہ فرما ہیں اور شب کا وقت ہے اور ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ زمین کے نیچے حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے ہیں۔

ممکن ہے کہ علم طبعیات کے کسی طالب علم کے ذہن میں یہ سوال ابھر آئے کہ روشنی سے تیز رفتار بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے؟ یا پھر کسی انسان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ فضا میں روشنی کی رفتار سے بھی تیز سفر کر سکے؟

تو آئن سٹائن کے اس مقلد سے ہم پوچھنا چاہیں گے کہ کیا آپ کے پاس کوئی علمی دلیل موجود ہے کہ جس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکے کہ روشنی سے تیز رفتار کوئی چیز نہیں؟ یا روشنی سے تیز رفتار سواری پر کسی انسان کا سفر کر پانا ناممکن ہے؟

جب یہ امکانات موجود ہیں کہ روشنی سے تیز رفتار شے ہو سکتی ہے، یا انسان روشنی سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر سکتا ہے اور کسی سائنسداں نے ان امکانات کا انکار بھی نہیں کیا تو کوئی اعتراض نہیں بنتا۔

معراج کیوں: معجزہ معراج کیوں وقوع پذیر ہوا، اس میں بڑی حکمتیں ہیں اور امت محمدیہ کے لیے بڑی برکتیں بھی ہیں، یہ بات بالکل واضح ہے کہ تکلیف جس قدر بڑی ہوتی ہے تسلی کے الفاظ بھی اتنے ہی سجے ہوئے ہونے چاہییں، تسلی دینے والی ذات بھی اتنی عظیم ہونی چاہیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیفوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے، اعلان نبوت کے بعد مسلسل ہر چہار جانب سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے، مخالفتوں کا ایک طوفان امنڈ پڑا، ایک طرف تو یہ کیفیت کہ اعلانِ نبوت کے ساتویں سال سے لے کر دسویں سال تک شعب ابی طالب میں محصوری میں اس طرح گذرے کہ کبھی بھوکے ہیں، کبھی پیاسے ہیں، آخر کار کفار نامراد ہوئے اور یہ بائیکاٹ ختم ہوا، مگر اسی سال دادا عبد المطلب انتقال کر گئے، اور اس کے بعد اسی سال ام المومنین حضرت خدیجہ کبریٰ بھی اس دنیا سے رخصت ہوئیں، سارے ظاہری سہارے منقطع ہو گئے، نا والد ہیں کہ کچھ سہارا ہو، نا والدہ ہیں کہ دلاسا دیں، نا زوجہ ہیں کہ محبت و وارفتگی کا اظہار کریں، اور تکلیف میں کچھ کمی محسوس ہو، قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر رنج و غم کی کیفیت ہے، ایک طرف تو امت کا غم کہ یہ دعوت اسلام کو نکار رہے ہیں، دوسری طرف کفار و مشرکین کی جانب سی تکالیف کا پیہم سلسلہ ہے، ایسے نازک وقت میں اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دیدار کی دولت سے مشرف فرمایا، یقیناً یہی ایک ایسی چیز تھی جس سے یہ غم دور ہوتا، اور تسلی ملتی۔ اللہ رب العزت نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو جنتی سواری کے ساتھ بھیجا اور حبیب پاک کو کائنات کی سیر کرائی، اور بیشمار انعامات سے نوازا۔

دیدار الٰہی: اس سفر معراج میں سب سے بڑا تحفہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا وہ دیدار الٰہی کی دولت تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بڑی جماعت حضور کے دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کا عقیدہ بیان کرتی ہے، اکابرین امت نے بھی اسے صراحت کی ساتھ بیان کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا اور پوچھا کہ

هل رای محمد صلى الله عليه و سلم ربه؟ فارسل اليه ان: نعم. یعنی کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیدار الٰہی کا شرف پایا؟ فرمایا ہاں پایا۔ حضرت امام بصری رضی اللہ عنہ حلف اٹھا کر کہا کرتے کہ حضور نے دیدار الٰہی کا شرف پایا۔ امام نووی نے شرح نووی میں ''باب رای النبی ربہ'' میں صراحت فرمائی کہ اکثر علمائے اہل سنت کی یہی تحقیق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماتھے کی نگاہوں سے اللہ رب العزت کا دیدار فرمایا۔ امام شہاب الدین احمد خفاجی نے نسیم الریاض میں فرمایا کہ اصح اور مختار یہی ہے کہ حضور نے معراج کی رات سر کی آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار کیا، اور اکثر صحابہ کا یہی مذہب ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے کہا کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب کا قائل ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا، دیکھا، دیکھا، اور اتنی دیر تک ''دیکھا دیکھا'' کہتے جب تک سانس نہیں ٹوٹ جاتی۔

اپنی نگاہوں سے اللہ رب العزت کا دیدار کرنا یہ بہت ہی بڑا معجزہ ہے، بلاشبہ انسانی عقل یہاں عاجز ہے، اسی لیے تو یہ معجزہ ہے۔

لنريه من آياتنا میں حکمت:

آیت معراج کا ایک ٹکڑا ہے ''لنريه من آياتنا'' یعنی تاکہ ہم انہیں اپنے آیتیں دکھائیں۔

ظاہر ہے دیکھنے اور دکھانے میں بہت واضح فرق ہے، آیت مبارکہ میں یہ ٹکڑا اس سفر کی غایت کو بیان کر رہا ہے، کہ انھیں اپنی آیتیں دکھانا مقصود ہے۔ دیکھنے والے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور دکھانے والی ذات اللہ رب العزت کی، اب کائنات کی کون سی اسی چیز ہوگی جو نگاہِ مصطفیٰ سے چھپا لی گئی ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ظاہر ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کی ہر شے، اور اس کی کیفیت اور ماہیت کا علم دیا گیا، یعنی واقعہ معراج حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیع علم کو بھی بیان کر رہا ہے۔

☆☆☆

قسط اول

تاریخ وہابیت ایک مختصر جائزہ

از: مفتی محمد داؤد علی مصباحی (گیا)

۱۸ارویں صدی میں فرقہ وہابیہ کا ظہور ہوا؟ جس کے نتیجے میں عالم اسلام میں فکری انتشار کا دور دورہ ہوا، اور خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا گیا جس نے تمام ممالک اسلامیہ کو ایک رشتۂ وحدت میں پرو رکھا تھا۔ ذیل میں ہم وہابیت کی مختصر تاریخ پیش کرتے ہیں۔

وہابیت کیا ہے:

وہابیت ایک گمراہ فرقہ ہے جو سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے برخلاف باطل عقاید ونظریات کا حامل ہے۔ تنقیص رسالت، توہین اکابر امت اور ائمہ مجتہدین کی تقلید کے انکار کا خوگر ہے۔ قرآن وسنت آثار صحابہ اور اسلاف امت سے ثابت شدہ روایات واقدار جیسے شفاعت توسل واستغاثہ، اور انبیا واولیا کے مزارات کی تعظیم وتکریم کرنے والے مومنوں کو مشرک کافر اور بدعتی کہنا فرقہ وہابیہ کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ اس جماعت کا بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی تمیمی ہے۔ علامہ طنطاوی نے لکھا ہے:

''اما محمد فهو صاحب الدعوة التي عرفت بالوهابية'' محمد بن عبدالوہاب نے جس تحریک کی دعوت دی تھی وہ وہابیت کے نام سے معروف ہے (محمد بن عبدالوہاب نجدی ص ۱۳)

چنانچہ ابن عبدالوہاب نے جس نئے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی وہ عرف عام میں ''وہابیت'' کے نام سے مشہور ہوئی اور اس کے ماننے والے وہابی کہلائے۔

یہ شخص ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں نجد کے جنوبی وادی حنیفہ کے ایک مقام عیینہ میں پیدا ہوا (ایضاً ص ۱۳)

یہ آخری عمر میں ایک خوفناک مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اپنے ہی گھر کے ایک گوشے میں رہنے پر مجبور ہو گیا تھا اسی حالت میں آخری ذی قعدہ ۱۲۰۶ھ ۲۲؍جون ۱۷۹۲ء کو انتقال کر گیا۔ (محمد بن عبدالوہاب ص ۱۰۷، از شیخ احمد عبدالغفور عطار)

کچھ نجد کے بارے میں:

جغرافیائی اعتبار سے نجد سرزمین عرب کے مشرق میں واقع ہے یہ وہ علاقہ ہے جس کے قبائل مضر اور ربیعہ وغیرہ اسلام دشمنی میں ہمیشہ پیش پیش رہے، ہمارے غیب داں نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطۂ نجد کے لیے دعا کرنے سے پہلوتہی فرمائی تھی اور ارشاد فرمایا تھا: **هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان** ''یعنی وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں سے شیطان کے پیروکار نکلیں گے۔'' (صحیح البخاری کتاب الاستسقاء الحدیث: ۱۰۷۳)

نجد میں عیینہ وہ جگہ ہے جہاں تاریخ اسلامی کا سب سے پہلا فتنۂ مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب پیدا ہوا تھا۔ گیارہ سو سال کے بعد ٹھیک اسی مقام پر ابن عبدالوہاب نجدی پیدا ہوا جس نے مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کر دیا، یہ ایسا قیامت خیز فتنہ تھا جس کے ایمان سوز اثرات آج تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔

تحصیل علم:

ابن عبدالوہاب نجدی تمیمی نے قرآن کریم کی تکمیل کے بعد اپنے والد سے فقہ حنبلی کی تعلیم حاصل کی، حصول علم کے لیے کئی بار حجاز بھی گیا، یہاں اس کی ملاقات دو انتہائی غالی قسم کے غیر مقلد استاذوں شیخ محمد حیات سندھی اور شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف سے ہوئی، یہ دونوں ابن تیمیہ کے افکار ونظریات سے بہت متاثر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد طلب کرنے کو شرک

قرار دیتے، انبیا و اولیا کی تعظیم اور شفاعت کا سختی سے رد کرتے، اور جو آیتیں مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھے۔ انھوں نے ابن عبد الوہاب کو بھی ان باطل افکار کی تعلیم دی اور ابن تیمیہ کے نظریات میں اس طرح ڈھالا کہ وہ شدت پسندی میں ابن تیمیہ سے بھی آگے نکل گیا۔

نجدی مذہب کی بنیاد:

(۱) شیخ نجدی کا دعویٰ تھا کہ اس وقت روئے زمین پر جتنے مسلمان ہیں سب کافر و مشرک ہیں، اور مسلمان صرف وہ اور اس کے متبعین ہیں۔

(۲) چوں کہ اس کے پیروکاروں کے سوا سب کافر و مشرک ہیں اس لیے فرض ہے کہ ان سے لڑیں، اگر وہ اس کے خود ساختہ مذہب اور توحید کی پیروی نہ کریں تو انھیں قتل کر ڈالیں، ان کی عورتوں کو لونڈیاں اور ان کے بچوں کو غلام اور ان کے اموال کو مال غنیمت بنالیں۔ شیخ نجدی خود لکھتا ہے:

"**وعرفت ان اقرار هم بتوحيد الربوبية لم يدخلهم في الاسلام وان قصدهم الملائكة والانبياء والاولياء يريدون شفاعتهم والتقرب الى الله بذلك هو الذى احل دماء هم واموالهم**"(کشف الشبهات ص ۲۰ ۱۲)

یعنی اور تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان مسلمانوں کا توحید کو مان لینا انھیں اسلام میں داخل نہیں کرتا، اور ان لوگوں کا نبیوں، فرشتوں اور ولیوں سے شفاعت طلب کرنا اور ان کی تعظیم سے اللہ کا قرب چاہنا ہی وہ سبب ہے جس نے ان کے قتل اور اموال لوٹنے کو جائز کر دیا ہے۔

(۳) صحابہ و اولیا کے مزارات و قبے ڈھادیے جائیں کیوں کہ وہ شرک کے اڈے ہیں، اس کام کو کس طرح عملی جامہ پہنایا گیا اسے آگے ملاحظہ کریں گے۔

امیر درعیہ عبد العزیز محمد بن سعود سے ساز باز:

ابن عبد الوہاب نجدی جمہور مسلمین اہل سنت کے خلاف جس بدعقیدگی کا مشن لے کر اٹھا تھا اس کو پھیلانے کے لیے دولت وثروت اور تلوار کی قوت کی ضرورت تھی اس کے لیے اس نے امیر درعیہ ابن سعود سے اس کی بیگم کے ذریعہ رابطہ استوار کیا، اور اسے اپنے خود ساختہ مذہب و توحید کا پیغام سنایا۔ اس میں ابن سعود کو اپنے حکمراں بننے کا خواب پورا ہوتا ہوا دیکھائی دیا، چناں چہ وہ ابن عبد الوہاب نجدی کا ہمنوا بن گیا اور کہا:

اے شیخ! یہ تو بلا شبہ اللہ اور اس کے رسول کا دین ہے، میں آپ کی امداد کے لیے اور مخالفین توحید (عامہ مسلمین) سے جہاد کے لیے تیار ہوں، لیکن دو شرطوں کے ساتھ:

(۱) اگر ہم نے آپ کی مدد کی اور اللہ نے ہمیں فتح دی تو آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں۔

(۲) اہل درعیہ سے فصل کے وقت میں کچھ مقررہ محصول لیتا ہوں، آپ مجھے اس سے نہ روکیں۔ یہ سن کر ابن عبد الوہاب نے جواب دیا:

پہلی شرط بسر و چشم منظور ہے، ہاتھ ملاؤ، **الدم بالدم والهدم بالهدم** یعنی میرا خون تمہارا خون ہے اور میری تباہی تمہاری تباہی، رہی دوسری شرط، وہ ان شاء اللہ تمہیں فتوحات اور غنیموں میں اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا دل میں خیال بھی نہ آئے گا (محمد بن عبد الوہاب از مسعود عالم ندوی ص ۴۰/۴۱ ملخصاً)

بزور شمشیر دعوت نجدیت کی اشاعت:

ابن عبد الوہاب نجدی نے ابن سعود سے گٹھ جوڑ کرنے کے بعد اس کی قوت وثروت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مخالف مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا شروع کیا، اسلاف کی روایات کے حامل مومنوں کو تلوار کی نوک پر اپنے خود ساختہ عقیدے کی دعوت دینے لگا۔

ابن سعود نے وہابی مشن کو عام کرنے کے لیے سب سے پہلے امیر ریاض ابن دواس کے خلاف جنگ چھیڑ دی، ابن دواس وہابی سعودی اشتراک کا مخالف اور سنی صحیح العقیدہ تھا، یہ جنگ تیس برسوں تک جاری رہی، آخرکار ابن سعود نے ریاض اور اس کی مملکت کے دیگر علاقے پر قبضہ کر لیا، ابن دواس نے شکست کے باوجود وہابی بد عقیدگی کو قبول نہ کیا، اور صحرا کی طرف نکل گیا۔

اس جنگ میں تقریباً چار ہزار عربوں کی جانیں تلف ہوئیں،

ان میں سے ۲۳۰۰ روہ خوش عقیدہ مسلمان تھے جو وہابیہ کے نزدیک مشرکین میں شمار ہوتے تھے۔

ابن دوّاس کے بعد امیر الحصا اور ابن سعود کے درمیان بھاری جنگ ہوئی، جس میں مسلمانوں کو کافی جانی و مالی نقصانات سے گزرنا پڑا (سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل مسعود ص ۴۲، ۴۳ ملخصاً)

قتل وغارت گری:

آل سعود اور وہابیوں نے اپنے باطل افکار کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کے لیے بڑی غارت گری مچائی۔ وہ عام مسلمانوں کے جان و مال کو اپنے لیے حلال سمجھتے تھے، اور اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک گردانتے تھے، بلکہ دوسرے مسلمانوں کی جان لینا باعث ثواب جانتے تھے۔ سردار محمد حسنی بی اے لکھتے ہیں:

وہابی کیوں کہ اکھڑ، بدو اور جاہل عرب تھے اس لیے رفتہ رفتہ اس قدر متعصب ہو گئے کہ ترک (سنی) مسلمانوں کی جان لینے کو عین ثواب اور خدمت دین جانتے تھے، عام مسلمانوں کو مشرک سمجھتے تھے، اور ان کے خلاف جنگ و پیکار کو جہاد کہتے تھے (ایضاص ۴۶)

امام حرم علامہ احمد بن ذینی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

جب کسی انسان کو نجدی قتل کرتے تو اس کا مال چھین کر اس میں سے پانچواں حصہ امیر محمد بن سعود کو دے دیتے تھے، باقی آپس میں تقسیم کر لیتے تھے، وہ لوگوں کے جان و مال کو حلال جانتے تھے اور طرح طرح سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ کے محبین کی تحقیر کرتے تھے، جو شخص اس کے خود ساختہ دین کو قبول نہیں کرتا تو اس کے قتل کا حکم دے دیتے تھے۔ (الدرر السنیہ ص ۴۳ و ۴۶ مطبوعہ استنبول ملخصاً

طائف میں ظلم وستم:

ایک وہابی کمانڈر عثمان کو سرزمین طائف کو لوٹنے پر مامور کیا گیا، عثمان نے وہاں حملہ کر کے طائف کی گلیوں اور بازاروں کو مسلمانوں کی لاشوں سے بھر دیا، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بھی نہیں بخشا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزار پاک کو آگ کے حوالے کر دیا، اور تمام مال واسباب کو لوٹ کر نجدیوں میں تقسیم کر دیا، اور اس کا خمس عبدالعزیز کے پاس بھیجا۔ (عنوان المجد فی تاریخ نجد از عثمان بن بشر نجدی، ص ۱۲۳ ر ج ا ر ملخصا مسئلہ حجاز رپورٹ وفد خلافت ۱۹۲۶ء ص ۵۴ ر ملخصا)

کربلا میں مظالم:

۱۲۱۴ھ میں وہابیہ نجد، حجاز اور تہامہ سے ایک لشکر جرار لے کر نکلے اور بلد الحسین کے باشندوں پر یلغار کر دیا، بہت سارے باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا، اور قبہ امام حسین کو منہدم کر دیا، شہر میں جو بھی مال و دولت ہاتھ آئے سب لوٹ لیے (ان اندھ بھگتوں) نے یہاں تقریباً دو ہزار لوگوں کو قتل کیا (محمد بن عبدالوہاب از مسعود عالم ندوی ص ۷۷ ر ملخصاً)

مکہ و مدینہ پر حملہ اور مزارات کا انہدام:

آل سعود نے مکۃ المکرّمہ زادھا اللہ شرفا میں بھی تباہی مچائی، حرم کے تمام مقدس مزارات جو صدیوں سے زائرین کے مرجع تھے آن میں مسمار کر دیے، ان کے مجاور بھی قتل کیے گئے، اور حرم کے غلاف پھاڑ دیے گئے۔ (سوانح حیات سلطان ابن مسعود ص ۴۸ ر ملخصاً)

ان نجدیوں نے حرم شریف کی عظمت وحرمت کا بھی خیال نہ رکھا، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "لا یحل لاحدکم ان یحمل بمکۃ السلاح" یعنی کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں ہتھیار اٹھائے (مسلم شریف کتاب الحج حدیث: ۱۳۵۶)

بلکہ ان وہابیوں نے ہجرت گاہ رسول مدینہ منورہ پر بھی چڑھائی کی، گنبد خضرا پر گولے داغے گئے بقیع شریف میں مدفون صحابہ کرام کے مزارات مقدسہ اور قبوں کو زمین بوس کر دیا گیا۔ خود وہابیوں کے پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

سعود نے مزار مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ کر دیا، اور اس کے خزائن اور دفائن سے سب لوٹ کر درعیہ کو لے گیا، بعضوں نے کہا کہ ساٹھ اونٹوں پر بار کر کے خزانہ لے گیا اور ایسا ہی ابی بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے مزارات کے ساتھ پیش آیا، اور مدینہ پر نمر بن شیخ بن حرب کو حاکم کیا، اور لوگوں کو دعوت وہابیہ کے قبول کرنے پر مجبور کیا اور سعود نے قبہ مزار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانے کا قصد کیا، مگر اس امر کا مرتکب نہ ہوا، اور حکم کیا کہ بیت اللہ کا حج سوا وہابیوں کے اور کوئی نہ کرے (کیوں کہ وہابیوں کے علاوہ اس کی نظر میں سب

مشرک تھے' (معاذ اللہ) ترجمان الوہابیہ ص ۳۶)

روضہ انور کی زیارت کرنے والوں کی ڈاڑھی مونڈھنا:

علامہ آفندی نے لکھا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کی خباثتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے لوگوں کو منع کر دیا، اس کے باوجود مقام احسا کے کچھ لوگوں نے روضہ پاک کی زیارت کی، یہ خبر ابن عبدالوہاب کو ہو گئی تو اس نے اس کی داڑھی مونڈنے کا حکم دیا اور ان کو رسوا کیا۔ (الفجر الصادق ص ۲۰/۲۲ر مطبوعہ استنبول، ملخصاً)

درود و میلاد پڑھنے والوں پر ظلم:

علامہ سید احمد بن ذینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے بہت سی کتابوں کو جلا دیا، بہت سے علما اور خواص و عوام کو قتل کر دیا لوگوں کو دلائل الخیرات، درود وظائف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد کرنے اور مناروں پر اذان کے بعد درود پڑھنے سے منع کر دیا، جس نے ایسا کیا اس کو قتل کر ڈالا۔ (الدرر السنیہ، ص ۵۲/۵۳ر ملخصاً)

ابن عبدالوہاب نجدی اور ابن سعود نجدی کی موت کے بعد بھی ان دونوں کی آل اور پیروکاروں نے وہابی فکر کو لوگوں پر تھوپنے کے لیے اپنی قبیح سرگرمیوں کو جاری رکھا، اور آج تک آل شیخ نجدی اور آل سعود کی شراکت برقرار ہے۔

نجدی مؤرخ سردار حسنی بی، اے نے لکھا ہے:

امیر (ابن سعود) اور شیخ (ابن عبدالوہاب) میں مودت اور موافقت کے عہد و پیمان ہوئے، چناں چہ تلوار ابن سعود کی تھی اور مذہب شیخ محمد بن عبدالوہاب کا۔ آج اس واقعہ کو دو سو برس گزر چکے ہیں لیکن یہ تعلق اور اشتراک قائم ہے۔ (سوانح حیات سلطان عبد العزیز آل سعود، ص ۴۲/۴۳ر)

ابن عبدالوہاب کے بارے میں عالم اسلام کے تاثرات:

ابن عبدالوہاب نجدی کی گمراہی بے دینی اور کج روی سے اس کے والد عبدالوہاب بن سلیمان قاضی عیینہ، بھائی سلیمان بن عبدالوہاب اور اس کے دیگر اساتذہ بھی واقف تھے، ان حضرات نے شیخ نجدی کو سمجھایا، اور عقائد حقہ کو واضح کیا، لیکن پھر بھی وہ اپنے حرکت سے باز نہ آیا۔

اس کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب نے اس کے افکار فاسدہ کے رد میں ''الصواعق المحرقہ'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔ ابن عبدالوہاب کے اساتذہ میں سے جنھوں نے اس کی سرزنش اور تردید کی ہے شیخ محمد سلیمان کردی ہیں، انھوں نے فرمایا: اے ابن عبدالوہاب! میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کے لیے تو اپنی زبان کو مسلمانوں کے متعلق (فتوی کفر لگانے سے) روک (فتنۃ الوہابیہ ص ۶۹)

علمائے ازہر میں سے ابن الحاج محمد عبدالرحمٰن شافعی علیہ الرحمہ نے وہابی فکر کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

ہمارے اس زمانہ میں بیشک وہابی نجدی اور ان کے جاہل پیروکار دین اسلام میں ہر جگہ فتنے پھیلانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں، ان وہابیوں کی اصلیت بیان کرنا ہم پر واجب ہو چکا ہے۔ (نور الیقین ص ۳ر ملخصا)

حضرت علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے باغیوں کے ذکر کے ضمن میں تحریر فرمایا:

جیسے کہ ہمارے زمانے میں ابن عبدالوہاب کے متبعین کا واقعہ ہوا، یہ لوگ نجد سے اٹھے اور حرمین شریفین پر غلبہ پالیا، ان کا عقیدہ تھا کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہے وہ مشرک ہے اسی بنا پر ان لوگوں نے مسلمانان اہل سنت اور علمائے اہل سنت کے قتل کو جائز ٹھہرایا۔ (ردالمحتار ج ۳ر ص ۴۲۸/۴۲۷ر ملخصا

شیخ نجدی سے اس کے بڑے بھائی سلیمان نے ایک بار پوچھا: اسلام کے کتنے رکن ہیں؟ تو اس نے کہا: پانچ، انھوں نے فرمایا: تو نے تو چھ کر دیا ہے، جو شخص تیرا اتباع نہ کرے وہ مسلمان نہیں، یہ تیرے نزدیک اسلام کا چھٹا رکن ہے۔ (الدرر السنیہ ص ۳۹)

ابن عبدالوہاب اور اس کی تحریک کے رد میں علمائے حق نے ہر زمانے میں کتابیں لکھی ہیں، اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مفتی حرم احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یعنی مذاہب اربعہ کے بہت سے علما نے کتب مبسوطہ میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کا رد لکھا۔ (الدرر السنیہ ص ۴۸) (جاری)

☆☆☆

طالبین فقہ کے لیے ایک دستاویزی سلسلہ

دوسری قسط

الاشباہ والنظائر۔ایک فقہی شاہکار

(موضوع،تاریخ،مسائل،فوائد)

مفتی فیضان المصطفیٰ قادری

گزشتہ قسط میں ہم نے امام تاج الدین سبکی کی ''الاشباہ والنظائر'' کا ایک تعارف پیش کیا تھا، اِس قسط میں اُسی کو اپنی اساس اور مرجع بنانے والے امامین عظیمین کی ''الاشباہ والنظائر'' کا ذکر کرتے ہیں، ایک امام جلال الدین سیوطی شافعی ہیں، اور دوسرے امام ابن نجیم مصری حنفی۔

امام سیوطی کی الاشباہ والنظائر:

امام جلال الدین سیوطی (۸۴۹ھ۔تا۹۱۱ھ) تصنیفات کے ایسے امام ہیں جن کی مثال پوری تاریخ اسلام میں نہیں ملتی، کم ہی موضوعات رہ گئے ہیں جن پر آپ نے مستقل کتابیں نہ لکھی ہوں۔ ''حسن المحاضرۃ'' میں اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ ''میں نے ۸۶۶ھ میں تصنیف کا آغاز کیا اور اب تک تین سو کتابیں لکھ چکا، جن میں وہ کتابیں شامل نہیں ہیں جن کو میں نے دھل دیا اور ان سے رجوع کرلیا''۔ آپ نے فقہ کے اشباہ ونظائر کو بھی اپنا موضوع بنایا، اور ایک جامع اور ضخیم کتاب تصنیف فرمائی جس کا پورا نام: ''الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقہ الشافعیۃ'' ہے، آپ نے اس میں امام تاج الدین سبکی کا ہی منہج اختیار کیا ہے۔

امام زین الدین ابن نجیم مصری:

علامہ زین الدین بن نجیم مصری حنفی ۹۲۶ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ بلقینی، شیخ قاسم بن قطلو بغا، شیخ ابن الشلبی وغیرہ جید علمائے عصر سے علم حاصل کیا، اور خود ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں مشہور نام ان کے برادر شیخ عمر بن نجیم صاحب نہر، علامہ غزی تمرتاشی، وغیرہ کا ہے۔ ۹۷۰ھ میں وفات ہوئی اور مصر میں ہی سیدہ سکینہ کے قریب تدفین عمل میں آئی۔ کل ۴۴ سال عمر پائی، یہ عمر تصنیف وتالیف کے لیے جوانی کی عمر ہے جب تصنیف وتالیف اپنے جوبن پر ہوتی ہے، آپ نے البحر الرائق میں فقہی تحقیق وتدقیق کے وہ جوہر دکھائے جو انھیں کا حصہ تھے، اور جب اس بحر زخار کا تلاطم شباب پر تھا دارِ آخرت کی راہ لے لی، اگر عمر طویل ملتی تو یقیناً آپ بھی امام سیوطی کی طرح کثیر التصانیف ہوتے۔

دونوں بزرگوں کی الاشباہ والنظائر میں یکسانیت کی جہتیں:

امام سیوطی نے اپنی الاشباہ نہ تو فقہا کی ترتیب فقہی پر رکھی ہے نہ ہی علمائے اصول کے طرز پر، بلکہ امام سبکی کی الاشباہ کے طرز پر اس کی بنیاد ان پانچ قواعد پر رکھی ہے۔(الامور بمقاصدھا، الیقین لایزال بالشک، المشقۃ تجلب التیسیر، الضرر یزال، العادۃ محکمۃ) پھر ایسے چالیس قواعد کلیہ ذکر کیے جن پر کثیر فرعی مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔ امام ابن نجیم نے قواعد کے انھیں دونوں حصوں کو فن اول کے تحت نوع اول اور نوع ثانی کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

امام سیوطی اور امام زین بن نجیم کی الاشباہ کی ترتیب بہت حدتک ایک دوسرے کے قریب ہے۔ خصوصاً قواعد کلیہ کی تفصیلات میں یکسانیت درجۂ کمال پر ہے۔

ان دونوں بزرگوں کی ''الاشباہ والنظائر'' میں یکسانیت کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ جیسے علامہ زین ابن نجیم نے البحر الرائق کی

تالیف کے دوران کچھ قواعد جمع کیے جنھیں ''فوائد زینیہ'' کا نام دیا، پھرانھیں کی تفصیل کی اور دیگر انواع کا اضافہ کر کے الاشباہ والنظائر کے نام سے ایک مستقل تصنیف کی شکل دیدی۔ اسی طرح امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ابتداءً کچھ قواعد جمع کیے، اس مجموعۂ قواعد کا نام ''شوارد الفوائد فی الضوابط والقواعد'' رکھا جو بعد میں الاشباہ والنظائر کی شکل میں ایک مستقل تصنیف کی تمہید بن گئی۔ (ملخصاً الاشباہ للسیوطی ص ۲۸ بیروت)

دونوں کتابوں کے مابین یہ مشابہت ترتیبِ مباحث تک محدود نہیں، بلکہ یہ یکسانیت جزئیات وعبارات میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے، کہیں کئی کئی سطریں ایک سی محسوس ہوتی ہیں، موضوع ایک ہونے کے سبب جزئیات میں یکسانیت عام سی بات ہے لیکن عبارتوں میں اس درجہ توارد عام سی بات نہیں، اس لیے بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ کس نے کس سے لیا یہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔ شیخ خلیل محی الدین غمز العیون للحموی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ونشأ جدل كبير في ذلك العصر أيهما أخذ عن صاحبه لأن الكتابين تشابها ايضاً أسلوباً وعبارة. (الاشباہ والنظائر مع الحموی بیروت جلد اول صفحہ ب)

مگر علامہ زین بن نجیم نے حصہ قواعد کی دوسری نوع میں جگہ جگہ امام سیوطی کا حوالہ دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تالیف کے دوران امام سیوطی کی الاشباہ ان کے پیش نظر تھی۔ اور ہم جہاں تک امام سیوطی کی الاشباہ کا مطالعہ کر سکے امام زین بن نجیم کا حوالہ اس میں نہ دکھائی دیا، اگر چہ امام سبکی اور ابن کمال کے حوالے جگہ جگہ موجود ہیں، اور یوں بھی امام زین بن نجیم کی ولادت ۹۲۶ھ کی ہے جب کہ امام سیوطی ۹۱۱ھ میں وفات پاچکے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جہاں امام سیوطی نے ''وفی البحر'' یا ''انتھی کلام صاحب البحر'' لکھا ہے (الاشباہ للسیوطی صفحہ ۹۰) وہاں ان کی مراد امام ابن نجیم کی البحر الرائق نہیں ہے۔

ہاں امام سیوطی کے کثیر مباحث وہ ہیں جو امام ابن نجیم کی کتاب میں نہیں، جیسا کہ امام ابن نجیم کی الاشباہ میں بھی ایسے کثیر مباحث ہیں جو وہاں نہیں۔ امام ابن نجیم کا میدان فقہ اور اصول فقہ ہے، اور ان میں اُن کا مقام بہت بلند ہے، جب کہ امام سیوطی کا میدان تصنیف وتالیف بہت وسیع ہے، محض دو چار فنون تک محدود نہیں۔ امام ابن نجیم کے اسی ارتکاز فکر وفن کے سبب ان کے فقہی مباحث کی قدر وقیمت وہی لوگ جان سکتے ہیں جو البحر الرائق کا مطالعہ رکھتے ہیں اور ان کے طرز تحریر سے واقف ہیں، اس لیے جو تحقیق وتدقیق ابن نجیم کے پاس ملے گی اس کا پایہ یقیناً بہت بلند ہوگا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام سیوطی کی ''الاشباہ والنظائر'' حسنِ ترتیب میں امام ابن نجیم کی ''الاشباہ والنظائر'' سے فائق ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ امام ابن نجیم نے اپنی الاشباہ بہت کم وقت میں ترتیب دی ہے، جس کی مدت کل چھ ماہ ہے، اس دوران بیماری کے کچھ ایام کے سبب کام میں خلل بھی رہا۔

امام سیوطی کی الاشباہ سے کچھ دلچسپ مسائل:

امام سیوطی کی الاشباہ فنون فقہیہ کا موجیں مارتا سمندر ہے، یہاں صرف دو مثالیں پیش کرتا ہوں:

پہلی مثال: ایک بار اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے یہ بحث سامنے آگئی کہ ''ایثار بالقربات'' مکروہ ہے، یعنی صحابہ کرام کی جس فضیلت کا ذکر قرآن عظیم نے یوں کیا ہے ''يوثرون على انفسهم'' (الحشر ۹) خود پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، اس سے مراد حظوظِ دنیا میں ترجیح دینا ہے یعنی کھانے پینے پہننے برتنے کی چیزوں میں، نہ کہ اعمالِ تقرب اور عبادات میں۔ لہٰذا وضو کے پانی، ستر عورت کے کپڑے، اور صف اول کے قیام میں ایثار مکروہ ہے۔ کہ عبادات کا مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم واجلال ہے، اس میں ایثار کا مطلب ترکِ تعظیم الٰہی ہوگا۔ امام سیوطی نے یہ جزئیہ نقل کیا کہ اگر نماز کا وقت ہوگیا اور اس کے پاس (ایک شخص کے لیے) وضو کا پانی موجود ہے، جسے وہ کسی اور کو وضو کے لیے دیدے یہ جائز نہیں۔ لأن الايثار انما يكون في ما يتعلق بالنفوس لافيما يتعلق

بالقرب والعبادات ۔اور اگر کوئی شخص بھوک کی شدت سے حالتِ اضطرار کو پہنچ گیا ہو اور اس کے پاس کھانا ہو تو دوسرے بھوکے شخص کو اس لیے دیدے کہ اس کی جان بچ جائے یہ درست ہے، اگر چہ اسے اپنی جان جانے کا اندیشہ ہو۔ (ملتقطاً الاشباہ للسیوطی دارالکتب العلمیہ بیروت صفحہ ۲۶۶)

اس بحث کو علامہ ابن نجیم نے بھی اپنی الاشباہ میں اسی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا کہ حنفیہ نے اس مسئلے کو ذکر نہیں کیا۔ فرماتے ہیں:

القاعدة الثالثة لم ارها الآن لاصحابنا رحمهم الله وارجو من كرم الفتاح ان يفتح بها او بشئ من مسائلها وهي الايثار في القرب۔ (الاشباہ لابن نجیم ۱/۳۵۸)

دوسری مثال امام سیوطی نے ایک مقام پر دو متشابہ امور میں وجوہِ فرق بیان کرتے ہوئے ایک مثال حرم مکی اور حرم مدنی کی پیش کی ہے، فرماتے ہیں:

حرم مکی اور حرم مدنی کے مابین چند وجوہ سے فرق ہے:

(۱) حرم مکی کا قصد کرنے والے پر احرام لازم ہے، یہ حکم حرم مدنی کا نہیں۔

(۲) حرم مکی کے شکار اور درختوں (کے کاٹنے) پر سزا ہے، برخلاف حرم مدنی کے۔

(۳) حرم مکی میں مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں برخلاف حرم مدینہ کے۔ (خلافاً للحنفیہ)

(۴) حرم مکی میں اعتکاف کی نذر ہو تو مسجد حرام متعین ہے، اور حرم مدنی کے متعلق دو قول ہیں۔

(۵) مسجد حرام کی حاضری کی نذر مانے تو حج یا عمرہ کے طور پر حاضری لازم ہے، اور مسجد نبوی میں حاضری کی نذر مانے تو حاضری لازم نہیں۔

(۶) مسجد حرام میں نماز کا ثواب مسجد نبوی میں نماز سے سو گنا زیادہ ہے۔

(۷) ثواب کا یہ اضافہ حرم مکی میں مسجد حرام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ پورے خطہ حرم کے لیے ہے، جب کہ حرم مدینہ کے لیے یہ کثرتِ ثواب صرف مسجد نبوی کے اس حصے کے ساتھ خاص ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد کا حصہ تھا۔

(۸) حرم مدنی والوں کے لیے نماز تراویح ۳۶ رکعتیں ہیں، حرم مکی یا دوسروں کے لیے نہیں۔

(۹) مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لینا مکروہ ہے، اور مدینہ منورہ میں مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔

(ملخصاً الاشباہ والنظائر للسیوطی بیروت صفحہ ۷۸۷، ۷۸۸)

واضح رہے کہ یہ مثالیں فقہ شافعی کی ہیں، فقہ حنفی میں ان امور کے احکام معلوم کرنے کے لیے فقہائے حنفیہ کی کتابیں دیکھنی چاہئیں۔

الاشباہ لابن نجیم کی ترتیب وتالیف:

گزشتہ صفحات میں گزرا کہ امام ابن نجیم ''البحر الرائق'' تصنیف کرتے ہوئے میں جب بیع فاسد تک پہنچے تو ''الفوائد الزينية في الضوابط والاستثناءات'' تصنیف فرمائی، پانچ سو ضوابط تک پہنچے تو اسے مستقل کتاب بنانا چاہا جو سات فنون پر مشتمل ہو اور فوائد زینیہ جس کی ''نوع ثانی'' ہو۔ وہ سات فنون درج ذیل ہیں:

فن اول: قواعد: جو اصلا اصول فقہ ہیں کہ ان سے فقیہ درجہ اجتہاد کو پہنچ سکتا ہے۔ اس فن کو مصنف نے دو نوعوں پر مرتب کیا ہے، نوع اول میں قواعد کا بیان ہے جو مختلف ابواب فقہ میں جاری ہیں اور نوع ثانی میں وہ قواعد کلیہ ہیں جو غالباً ایک باب میں جاری ہیں جن پر کثیر تفریعات ہیں۔ نوع اول اور نوع ثانی کے مابین فرق کرنا آسان نہیں، وجوہِ فرق میں سے ایک یہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا۔

فن ثانی ضوابط: جو مدرس ومفتی کے لیے بہت مفید ہے۔ مصنف نے اس باب میں ضوابط بیان کرنے کے بعد استثناءات ذکر کیے ہیں، جن سے یہ فن بہت جامع اور دلچسپ ہو گیا ہے، یہ حصہ ایک طالب فقہ کو فقیہ بنانے کے لیے اکسیر اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔

فن ثالث: جمع وفروق۔ حاجی خلیفہ نے فن ثالث جمع وفروق کے متعلق لکھا ہے کہ مصنف اس کو مکمل نہ کر سکے، تو اسے ان کے بھائی شیخ عمر بن نجیم یعنی صاحب النہر نے مکمل کیا، مگر حقیقت میں یہ بات فن سادس الاشباہ والنظائر کے متعلق ہے۔ جب کہ علامہ شامی اس کے متعلق بھی فرماتے ہیں کہ یہ بھی مصنف ہی نے کیا ہے، اور اس قدر نسخہ غائب ہوگیا تھا جسے علامہ شامی نے کسی طرح حاصل کر کے اپنے نسخۂ اشباہ میں شامل کرلیا ہے، جس پر علامہ شامی نے اپنا حاشیہ نزہۃ النواظر تحریر فرمایا۔

فن رابع: الغاز، یعنی فقہی پہلیاں جسے مصنف نے امام ابن الشحنۃ کی الذخائر الاشرفیہ سے تلخیص کیا ہے۔

فن خامس: فن حیل، یعنی حیلوں کا بیان، اس فن میں شرعی مشکلات کے حل معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

فن سادس: اشباہ ونظائر: یہ احکام کا وہ حصہ ہے جن میں دو ایسے امر کا بیان ہے جو بظاہر ایک جیسے لگتے ہیں مگر دونوں کا حکم مختلف ہوتا ہے۔

فن سابع: حکایات ومراسلات یعنی فقہائے کرام کے دلچسپ واقعات درج کیے ہیں جو فرعی مسائل سے متعلق ہیں۔

امام ابن نجیم مصری نے اپنی وفات سے چند ماہ قبل اس کو مکمل کیا، اس طرح یہ کتاب ان کی آخری تالیف قرار پائی۔ (مقدمہ الاشباہ صفحہ ج)

الاشباہ کے شروح وحواشی:

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں چھ حواشی کا ذکر کیا ہے:

(۱) علامہ علی بن غانم خزرجی مقدسی متوفی ۱۰۳۶

(۲) شیخ محمد بن محمد المشہور بجوی زادہ متوفی ۹۹۵

(۳) مولی علی بن امر اللہ الشہیر بقنالی زادہ متوفی ۹۹۷

(۴) مولی عبد الحلیم بن محمد الشہیر باخی زادہ متوفی ۱۰۱۳

(۵) مولا مصطفی الشہیر بابی المیامن متوفی ۱۰۱۵

(۶) مولی مصطفی بن محمد الشہیر بعزمی زادہ متوفی ۱۰۳۷

لیکن کچھ اور حواشی بھی ہیں جن کا ذکر کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے نہیں کیا، مثلاً:

(۷) غمز العیون والبصائر، علامہ حموی کا یہ حاشیہ بعد میں سب سے زیادہ مقبول ہوا۔ اور مکتبہ دار العلمیہ بیروت نے اسے الاشباہ والنظائر متن کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔ علامہ حموی کا یہ حاشیہ اس قدر جامع ہے کہ اس کے بغیر الاشباہ کی افادیت متاثر ہوتی ہے۔ علامہ شامی نے رد المحتار میں علامہ حموی کے قول کو مختلف مقامات پر قول فیصل کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس حاشیے کی اہمیت اور خصوصیات پر مستقل تحریر کی ضرورت ہے۔

(۸) حاشیہ بیری، علامہ بیری زادہ کا حاشیہ جو 'الاشباہ والنظائر'' کے ساتھ ابھی چند سال قبل طبع ہوا ہے۔ الاشباہ والنظائر کی تدریس کرنے والوں کے لیے یہ بات خوش خبری سے کم نہیں کہ الاشباہ کے بہت سے مقامات جو حموی سے بھی حل نہیں ہوتے یا حموی نے سکوت اختیار کیا، علامہ بیری زادہ نے وافی وشافی تشریح فرمادی ہے۔

(۹) حاشیہ ابو السعود۔ اس کا ذکر علامہ شامی اپنی رد المحتار میں جابجا کرتے ہیں، اور علامہ حموی اور علامہ بیری کے حاشیہ کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔

(۱۰) علامہ شامی کا حاشیہ نزہۃ النواظر: یہ علامہ ابن عابدین شامی صاحب رد المحتار کا حاشیہ ہے جو بہت مختصر ہے، اور مطبوع ہے۔

.............................(جاری)..............................

(بقیہ صفحہ ۱۳)

اور دور جدید کے سائنسداں اس کو نئی اصطلاحات کے ساتھ انگریزی زبان میں منتقل کر سکیں۔ پھر یہ کام ان شاء اللہ آسانی کے ساتھ آگے بڑھے گا اور خدا نے چاہا تو امام احمد رضا علوم جدیدہ کے بھی مجدد قرار پائیں گے اور دنیا ان کو منفرد سائنسداں تسلیم کرے گی، جو ایک دو نہیں متعدد علوم جدیدہ کے موجد قرار پائیں گے۔ تمام محبان رضا سے دعا کی درخواست ہے۔

از قلم مجید اللہ قادری

۲۷ / جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ ۱۰ / فروری ۲۰۲۱ء

سنی علماء ومشائخ سے چند معروضات

از: علامہ ڈاکٹر آصف اشرف جلالی صاحب

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ.

اللہ تعالی کے فضل وکرم اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نسبت وبھرم سے امت مسلمہ تمام امتوں کی سردار ہے اس کی سروری اور سرداری کی بڑی وجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی ہے۔امت میں اسی فریضہ کی ادائیگی کے لحاظ سے فضیلت کے درجات کا مدار رہا ہے۔ یہ منصب جتنا اہم ہے اتنا ہی حساس بھی ہے، چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے امانت، دیانت، فقاہت، فراست، شجاعت، عدالت، بصیرت اور حکمت جیسی صفات کا ہونا ضروری ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں ہمارے اکابرین، علماء و مشائخ نے یہ فریضہ بطریق احسن سرانجام دیا ہے۔ حالات حاضرہ میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لحاظ سے کافی الجھنیں پائی جارہی ہیں۔ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت ایک عرصے سے عجیب وغریب بے بسی اور کسمپرسی کا شکار ہیں۔ اہم ایشوز پر قوم کو فوری طور پر مذہبی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے مگر اکابرین الا ماشاءاللہ کی زبان کے کھلنے اور قلم کے چلنے تک پانی کافی حد تک گزر چکا ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں قوم کی رہنمائی کا فریضہ صحیح طور پر انجام پانا بہت مشکل ہو چکا ہے۔ جب اصاغر کو مجبوراً بولنا پڑتا ہے تو اگر چہ موقف صحیح اور مدلل بھی ہو پھر اکابر کے لیے اس کی حمایت بھی ایک مستقل مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس سے بھی باہمی اتحاد اور یکجہتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ کسی اہم ایشو پر اظہار رائے سے بخل اور مشاورت کے وقت مشورہ دینے سے گریز کیا جاتا ہے، اور فیصلہ کے بعد صرف اس جملہ کے ساتھ تعاون پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ ہم سے کون سا پوچھ کر آپ نے موقف اختیار کیا تھا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادئیگی میں رکاوٹ کہیں تو ذوقِ صلح کلیت ہے اور کہیں شوقِ مقبولیت ہے، کہیں سودائے تن پروری ہے اور کہیں مسلک سے بے خبری ہے، کہیں سچے نظریات کو ذاتی مفادات کی دیمک نے چاٹ دیا ہے تو کہیں بداعتقادی نے ایمانیات کو کھوکھلا کر دیا ہے، کہیں عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں ہیں اور کہیں شاہینوں کو صحبت زاغ نے داغ داغ کر دیا ہے۔ ایسے ہی احساسات اور تخیلات کے مدوجزر میں شاعرِ مشرق کو یہ کہنا پڑا: بال جبرئیل میں ہے:

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

ہمیں آج اس صورتحال کا سامنا ہے کہ جب بدقسمتی سے ملت کی متاعِ گراں مایہ کو اچانک آگ لگی ہوئی نظر آتی ہے جس کے شعلے آسمان کی بلندیوں کی طرف اٹھ رہے ہوتے ہیں۔ پہلے تو دور دور تک کوئی آگ بجھانے والا نظر نہیں آتا بلکہ بہت سے لوگ تو آگ لگ جانے کے واقعہ ہی سے بے خبر ہوتے ہیں اور کچھ آگ لگنے سے تو باخبر ہوتے ہیں مگر انہیں یہ ادراک نہیں ہوتا کہ یہ آگ کتنی نقصان دہ ہے۔

بہر حال ایسی گھمبیر صورتحال میں کوئی باخبر اور ذمہ دار شخص آگ بجھانے کے لیے میدان میں کود پڑے اور اپنا سب کچھ داؤ پہ لگا دے۔ اس کا یہ جذبہ ہو کہ مجھ سے یہ ملّی نقصان برداشت نہیں ہوتا اگر چہ میرا ذاتی کتنا بھی نقصان ہو جائے۔ ایسے میں ہمیں آج ایسے حالات کا سامنا ہے کہ آگ لگانے والے کی بجائے آگ بجھانے والے کی تفتیش شروع ہو جاتی ہے۔ حکومت تو اسے ''لاء اینڈ آرڈر'' کا مسئلہ قرار دے کر آگ

لگانے والے اور بجھانے والے کی تمیز کیے بغیر دبا دینے کا ضابطہ پہلے ہی سے بنائے ہوئے ہے مگر اب اکثر مسند ارشاد پر رونق افروز حضرات اور دیندار طبقے کا اجتماعی رویہ بھی یہی بنتا جا رہا ہے۔ لفظ ''خدا'' کے ضمن میں عقیدہ توحید پر پہرہ دینے کی بات ہو یا ''حلف نامہ ختم نبوت'' پر حملہ کرنے والے پر شرعی حکم لگانے کی بات ہو، ''اولیت نبوت مصطفی ﷺ'' کے عقیدے کو انکار ختم نبوت قرار دینے والے کا محاسبہ ہو یا ''مسئلہ ایمان ابی طالب'' پر جمہور اہل سنت کے مسلک پر لعن طعن کرنے والوں کا مواخذہ ہو، آگ لگانے والے کو جب وہ ظالم آگ لگا رہا تھا تو کسی نے نہیں روکا، مگر آگ بجھانے والے کی حوصلہ شکنی کے لیے کئی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جیسے آگ بجھانے والے کو کوئی کہے گا یہاں پانی کیوں بہایا جا رہا ہے اس پانی کی تو اور کئی ضروریات تھیں۔ کوئی کہے گا یہاں پانی گرانے سے لوگوں پر چھینٹیں پڑ رہی ہیں، کوئی کہے گا راستہ خراب ہو رہا ہے، کوئی کہے گا جب پہلے یہاں پانی ڈالنا ضروری نہیں تھا تو اب کیوں ضروری ہو گیا ہے، وہ یہ نہیں دیکھ رہا کہ پہلے تو آگ نہیں لگی ہوئی تھی اور اب سب کچھ جل کے راکھ ہونے والا ہے۔ حالانکہ ان باتیں بنانے والوں پر تو خود فرض تھا کہ فوری طور پر آگ بجھاتے، مگر انہوں نے اپنے فریضے کو نہ پہچانا، یا اپنا فرض پہچانتے ہوئے بھی نہ جانے کن مجبوریوں کہ وجہ سے یہ آگ بجھانے پر تیار نہ ہوئے۔ ہمیں بار بار ایسی ہی صورتحال کا سامنا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں چودہ صدیوں میں ''مسئلہ ایمان ابی طالب'' میں جمہور اہل سنت کا مسلک وہی تھا جو مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز نے فتاویٰ رضویہ شریف میں مفصل اور مدلل لکھا اور بندہ ناچیز کے پاس بلا مبالغہ اس کے ہزاروں مستند حوالہ جات موجود ہیں۔ لیکن اسے بیان کرنے کے لحاظ سے ہماری پالیسی ہمیشہ سے محتاط ہے۔ اس مسئلہ میں جو غیر ذمہ دارانہ روش اختیار کی گئی اور مسلسل آگے بڑھائی جا رہی ہے یہ بہت خطرناک ہے۔ اہل سنت وجماعت میں سے اگر کوئی ایمان ابی طالب کا موقف اپنا لے تو اپنا لے مگر وہ یہ معاملہ اپنے تک رکھے اسے ہرگز مسلک اہل سنت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگرچہ تیرہ صدیوں تک کے اکابرین میں سے چند نے ایمان ابی طالب کے اثبات کی بعض روایات بیان کیں مگر یا تو بیان کر کے تفصیلاً رد کیں یا اجمالاً۔ ان صدیوں میں اہل سنت وجماعت کے کسی قابل ذکر امام نے ان روایات کی روشنی میں ایمان ابی طالب پر اپنا موقف قائم نہیں کیا۔ بعض کتب میں ان روایات کے ذکر کرنے کے باوجود بھی مصنفین نے اپنا موقف وہی رکھا جو جمہور اہل سنت کا ہے۔ ہاں یہ تصریح درجنوں آئمہ نے کی کہ ایمان ابی طالب روافض کا مسلک ہے۔ یہاں بھی ہماری طرف سے یہ وضاحت ذہن میں رکھی جائے کہ اہل سنت میں سے اگر کوئی شخص ایمان ابی طالب کا موقف اپنا لیتا ہے مگر وہ باقی عقائد میں رفض سے محفوظ ہے تو محض اس بنیاد پر اسے رافضی قرار نہیں دیا جائے گا۔ ہاں صرف یہ کہا جا سکے گا کہ اس نے روافض کے ایک عقیدے کو قبول کر لیا ہے۔

سنی علماء ومشائخ وقائدین ومبلغین وعمائدین بصد ادب واحترام اس بات کو اپنے احساس میں جگہ دیں کہ اصل مسئلہ ایمان ابی طالب کا نہیں بلکہ ایمان ابی طالب اور جشن ابی طالب کی آڑ میں رافضی بیانیہ کو پرموٹ کرنے کا ہے۔ موجودہ حالات میں یہ بات اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ روافض اور ان کے اہل سنت کے ٹائٹل کے نیچے موجود سہولت کار مکمل طور پر ایک پیج پر ہیں اور ایک ہی بیانیے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت یہ روش ہے کہ ایمان ابی طالب کے مسئلے پر روافض اعلانیہ طور پر سیدنا داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، امام المسلمین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل سنت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام لے کر معاذ اللہ انہیں کافر کہہ رہے ہیں، ان پر لعن طعن کر رہے ہیں اور روافض کے وہی ذاکرین اسی زبان سے اہل سنت کے ٹائٹل کے نیچے موجود ایمان ابی طالب اور جشن ابی طالب کی آڑ میں رفض پھیلانے والے اپنے ان سہولت کاروں کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں اور صرف انہیں ہی سنی قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ

روافض کے یہ سہولت کار خود بھی دن بدن جمہور اہل سنت و جماعت کے عقائد سے بہت دور جا رہے ہیں، اور ان کے رویے سے دن بدن روافض کے نظریات کو تقویت مل رہی ہے۔

ہم اہل سنت و جماعت کے نزدیک محبت اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور محبت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی سے کسی شخص کے عقیدۂ رسالت کی تکمیل ہوتی ہے۔ ہم ذاتِ رسول ﷺ پر ایمان اور نسبت کی وجہ ہی سے اہل بیت رسول ﷺ کی محبت فرض مانتے ہیں اور ذات رسول ﷺ پر ایمان اور نسبت کی وجہ ہی سے ہم اصحاب رسول ﷺ کی محبت فرض مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں محبتیں لازم وملزوم ہیں، شریعت میں یہ تب منظور ومقبول ہوسکتی ہیں جب یہ اکٹھی پائی جائیں۔ اس کی وجہ سے اہل سنت کے نزدیک اگر کوئی آل رسول ﷺ سے محبت کا تو دعویٰ کرے مگر اس کے دل میں کسی بھی صحابی کا بغض ہو تو وہ محبت اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم مقبول نہیں اور اگر کوئی اصحاب رسول ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرے مگر اس کے دل میں اہل بیت رسول ﷺ میں سے کسی کا بھی بغض ہو تو وہ محبت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مقبول نہیں۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ روافض ایمان ابی طالب اور مسئلہ باغِ فدک کی آڑ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف جو تبرہ بازی کر رہے ہیں، اہل سنت کے ٹائٹل کے نیچے موجود یہ مترفضہ ہرگز روافض کے مقابلے میں حضرت داتا گنج بخش ہجویری اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے دفاع میں تو کیا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دفاع میں بھی کوئی تند و تیز جملہ بولنے کو تیار نہیں، اور ان کی تمام تر توپوں کا رخ بظاہر بندہ ناچیز محمد اشرف آصف جلالی کی طرف اور حقیقت میں حضرت شاہ سلیمان تونسوی، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت پیر سید مہر علی شاہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، حضرت داتا گنج بخش ہجویری اور حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سمیت جمیع اکابرین اہل سنت کی طرف ہے۔ اس مسئلہ کے ضمن میں آج جو مسلک اہل سنت کیخلاف مہم جوئی کی جارہی ہے اس کے نقصانات کا کسی کو اندازہ نہیں۔ ایک پیر نے مجمع عام میں یہ نعرے لگوائے ہیں: ''جو علی کے باپ کو کافر کہے وہ مومن ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، پیر صاحب نے کہا: کبھی بھی نہیں...... کبھی بھی نہیں...... کبھی بھی نہیں۔''

دوسرے پیر کے بیٹے نے اپنے جوشِ خطابت میں مبینہ طور پر یوں لعن طعن کیا ہے: ''اب لازم ہے ہم پر، اب لازم ہے ہم پر کہ سکوت کو توڑیں اور سینہ تان کے کہیں اگر ابوطالب جنت میں نہیں جائے گا تو پھر کسی نے جنت میں جانا نہیں۔ حضور کا کفیل کون ہے؟ ملا جی، حضور کا کفیل ابوطالب ہے اور تیرے یتیم کی کوئی کفالت کرے وہ تو جنت میں ایسے قریب ہو، اور مصطفےٰ ﷺ کا کفیل جہنم میں جائے گا، لعنت ہو تمہارے عقیدے پر۔'' اس کے علاوہ بھی بہت کچھ اعلانیہ کہا جارہا ہے۔ ان دونوں حضرات کی مذکورہ دو عبارات میں چند امور بالکل واضح ہیں جو کہ قائل کا مقصود اور عبارت النص ہیں محض مخاطَب اور سامع کا تاثر نہیں۔

1. جو بھی ایمان ابی طالب کا قائل نہ ہو وہ کافر ہے۔ (معاذ اللہ)

2. جو بھی ایمان ابی طالب کا قائل نہ ہو اس کے عقیدے پر لعنت ہے۔ (معاذ اللہ)

3. سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سمیت تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور غیر انبیائے کرام کا جنت جانا ابوطالب کے جنت جانے کے ساتھ مشروط ہے۔ (معاذ اللہ)

اب یہ دیکھنا ہے کہ ان حضرات کی طرف سے ایمان ابی طالب نہ ماننے کی صورت میں لگایا گیا کافر، ملعون اور جہنمی کا حکم (معاذ اللہ) کس کس پہ لگ رہا ہے؟

یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ عدم ایمان ابی طالب قرآن مجید میں ہے، رسول پاک ﷺ اور حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

فرامین میں ہے۔ تین سے زائد آیات میں اور تیرہ سے زائد احادیث میں ہے۔ خلفائے ثلاثہ، جمیع صحابہ کرام و تابعین کا موقف عدم ایمان ہی کا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ چاروں آئمہ بھی گالیوں کی زد میں ہیں۔ صحاح ستہ کے مصنفین امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام داؤد، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم سمیت اسلام کی چودہ صدیوں کے ہزاروں محدثین، ہزاروں مفسرین، ہزاروں فقہاء اور ہزاروں صوفیاء ایمان ابی طالب کے قائل نہیں۔ اس پر چودہ صدیوں کے اکابرین کے ہزاروں حوالہ جات موجود ہیں۔ ہمارے تمام سلاسلِ تصوف نقشبندی، چشتی، سہروردی، قادری کے اکابر بھی عدم ایمان ابی طالب کا موقف رکھتے ہیں۔ داتا گنج بخش ہجویری ہوں یا حضرت غوث اعظم سب کا موقف عدم ایمان کا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ہوں یا حضرت شاہ سلیمان تونسوی، حضرت ابوطالب مکی ہوں یا سید السادات میر بلگرامی سب ایمان ابی طالب کے قائل نہیں ہیں۔

ایسی صورتحال میں کہ جب اہل سنت کے سٹیجوں سے معاذ اللہ کفر اور لعنت جیسے لفظوں کی گولہ باری ہو رہی تھی جس کی زد میں جانے یا انجانے میں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور رسول اکرم ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسی ہستیاں بھی آ رہی تھیں، تو یہ عمل ملت کی سب سے قیمتی متاع کو آگ لگانے سے کم نہیں تھا۔ اہل سنت کا ذمہ دار اور حساس طبقہ ہم سے بار بار یہ آگ بجھانے کا مطالبہ کر رہا تھا، بلکہ اہل سنت و جماعت کے ایک عظیم محقق اور مدرس کا تو فوری اور سخت ردعمل کا تقاضا تھا۔ ہم اس سلسلہ میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کرنا چاہتے تھے مگر یہ احساس بھی تھا کہ کسی اور کو موقع دیا جائے۔ یہ بھی ہم بار بار تجربہ کر چکے ہیں کہ جب ہم کسی ایسے میدان میں اترتے ہیں تو بعد میں ایسی آوازیں سنائی دیتی ہیں کہ یہ کریڈٹ لینا چاہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جب کوئی بھی یہ آگ بجھانے کے لیے آگے نہ بڑھا تو ہم اللہ کا نام لے کر یہ آگ بجھانے کے لیے لپکتے، اچھلتے، شعلوں سے پنجہ آزمائی کے لیے فرنٹ پہ آ گئے۔ ہمیں بھی پتہ تھا کہ یہ آگ لگانے والے محض مہرے ہیں ان کے پیچھے اصل قوت اور ہے اور اس قوت نے بار بار اور بڑی دور تک آگیں لگائی ہیں۔ چنانچہ آگ بجھانے کا آغاز کرنے سے پہلے آگ لگانے والوں کی آگ سے دلچسپی اور بجھانے والوں پر ان کا غصہ پیش نظر تھا، اس کے باوجود نارِ جہنم سے ڈرتے ہوئے، فرمان رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اور عظیم اسلاف کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے یہ نعرۂ مستانہ لگا دیا اور ایوان اقبال لاہور میں منعقد ہونے والی تاریخی محبت اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کانفرنس میں اپنے پانچ گھنٹے کے خطاب میں جہاں فرضیت محبت اہل بیت اور اس کی شرائط بیان کیں وہاں پانچ منٹ مسئلہ ایمان ابی طالب پر بھی گفتگو کی۔ اور وہ بھی یوں کہ عالم اسلام کے عظیم مجدد الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے فتاویٰ رضویہ سے، حضرت داتا گنج بخش ہجویری قدس سرہ العزیز کی کشف المحجوب اور بخاری شریف سے چند سطور پڑھ کر سنائیں۔

عمومی حالات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورتحال اور ہوتی ہے مگر مخصوص حالات میں اس فریضہ کی ادائیگی میں سستی پر بڑی سخت وعیدیں ہیں۔ جب میں نے پوری امت کے اکابرین پر آج کے کچھ ناہنجاروں کی طرف سے لعن طعن سنا تو مجھے اس حدیث نے جھنجوڑ کے رکھ دیا اور میرے پاس چپ رہنے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ حدیث یہ ہے: **عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِذَا لَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ عِلْمٌ فَلْيُظْهِرْهُ، فَاِنَّ كَاتِمَ الْعِلْمِ كَكَاتِمِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ** [تاريخ مدينه دمشق، خلف بن نعيم بن مالك، ج 17 رقم الصفحة: 5 دار الفكر دمشق]

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اس امت کے آخری لوگ اس امت کے پہلوں پر لعنت کریں ایسے حالات میں جس کے پاس (قرآن و سنت کا) علم ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس علم کا اظہار کرے کیونکہ اس وقت علم کو

چھپانے والا اس شخص کی طرح (مجرم) ہے جس نے حضرت محمد ﷺ پر اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ قرآن کو چھپایا۔

میرے سامنے روافض کی طرف سے محسنین اسلام پر تبرہ بازی کا نہایت مذموم دھندا تو تھا ہی، جب ان چند نام نہاد اہل سنت کی طرف سے اعلیٰ حضرت بریلوی اور سیدنا داتا گنج بخش سے لے کر صحابہ واہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک جو لعن طعن لازم آ رہی تھی تو مجھے یوں لگا جیسے یہ فرمان رسول ﷺ اسی موقع کے لیے تھا اور جیسے مجھے ہی اظہارِ علم کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ وہ کیفیت تھی جب میں نے عظیم سادات کرام، علماء و مشائخ، شیوخ الحدیث، مدرسین کی تائید سے ہزاروں ذمہ دار اہل سنت کے اجتماع میں یکم فروری کو ایوان اقبال لاہور میں پہلی بار اس موضوع کو بہت مختصر بیان کیا پھر بھی جو الفاظ تھے جس طرح کہ پہلے ذکر کیا، ان میں ایک حصہ حدیث مصطفیٰ ﷺ کا تھا دوسرا کشف المحجوب شریف سے حضرت سیدنا داتا گنج بخش ہجویری کا تھا اور تیسرا فتاویٰ رضویہ شریف سے حضرت امام احمد رضا بریلوی کے الفاظ کا تھا۔ اس پر روافض کے ہاں جو صف ماتم بچھی وہ تو ایک علیحدہ معاملہ ہے مگر اس تمام تر پس منظر کے باوجود اہل سنت و جماعت کی صفوں میں سے جو بعض نام نہاد سنیوں کی آوازیں بلند ہوئیں، وہ صرف قابل افسوس ہی نہیں نہایت قابل غور بھی ہیں۔ بعض تو اپنے موقف پر دلائل دیتے ہوئے ایسے دلائل بھی دے رہے تھے جو کل خدانخواستہ ابوجہل کا کوئی حامی بھی اپنے موقف پر پیش کر سکتا ہے۔ حالانکہ مسئلہ ایمان ابی طالب جو بھی ہے اس کا ابوجہل ملعون کے معاملہ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کچھ آیات واحادیث کے مقابلے میں بے سند اشعار پڑھتے ہوئے نظر آئے بعض نے دیوان مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس میں نہج البلاغہ کی طرح بہت سا حصہ روافض کا اپنا ہے، کے اشعار کا سہارا لیا۔ بعض مفتی کہلانے والوں نے جو اصطلاح فتویٰ میں مسلک اور مذہب کے فرق سے نابلد نظر آتے ہیں اسے حنفی شافعی اختلاف کی طرح قرار دیتے ہوئے رفع یدین کی حدیثوں پر قیاس کرنا چاہا۔ مجھے آداب رسالت سمجھانے کی غرض سے اپنے آپ کو اعلیٰ حضرت کی شمشیر کہلوانے والے اعلیٰ حضرت کی تحریر کو بھول گئے کہ وہ مجھ گنہگار کو یہ آداب نہیں سکھا رہے ہیں بلکہ اس امام علم وحکمت اور عشق ومحبت کو سمجھا رہے ہیں جسے مجمع عام میں عوام اہل سنت کے مقدس جذبات سے کھیلنے کے لیے عاشقان رسول ﷺ کے امام، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت سے تعبیر کرتے ہیں۔ میرا کام تو ناقل کا تھا اور ناقل کی ذمہ داری نقل صحیح کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

اہل سنت و جماعت میں اس مسئلہ کی حساسیت اور اہمیت کو سمجھ کر صحیح موقف اجاگر کرنے والے بھی موجود ہیں، لیکن اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ کی ایک بہت بڑی تعداد اتنی حساس صورتحال کے باوجود بالکل خاموش ہے۔ یہ نہیں کہ انہیں بولنا نہیں آتا۔ ہوسکتا ہے ویسے تو دن رات بولتے ہوں بلکہ بعض تو ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنے عہدوں، تنظیموں، اپنے اداروں اور اپنے مفادات اور ذاتی معاملات کے لیے بڑی گھن گرج سے بولتے ہیں، پریس کانفرنسیں کرتے ہیں، مہم جوئی کرتے ہیں مگر اہم ملی ایشوز پر سکوت اختیار کر لیتے ہیں۔

بندۂ ناچیز یہ بھی کہتا ہے کہ اگر قرآن وسنت ایمان ابی طالب کے مسئلے پر خاموش ہوتے تو ہم صرف نسبتِ رسول ﷺ کی وجہ سے بھی ایمان ابی طالب تسلیم کر سکتے تھے۔ مگر جب ایمان ابی طالب کے مسئلے پر قرآن وسنت خاموش نہیں بلکہ ایمانِ ابی طالب کا واضح انکار قطعی طور پر موجود ہے تو ہم مجبور ہیں کہ قرآن وسنت کے فیصلے کو کیسے معاذ اللہ ٹھکرا سکتے ہیں۔

حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اکرم ﷺ کا کلمہ پڑھ لیا ہم ان کی عظمت کو لاکھوں سلام کرتے ہیں۔ حضرت مولا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان ثابت ہے، ہم ان کی عظمت کو بھی لاکھوں سلام کرتے ہیں۔ مگر حضرت مولا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے والد کا ایمان ثابت نہیں تو ان کے بارے میں سرکار ﷺ کی وجہ سے ہم عدمِ ایمان کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر معاذ اللہ بغض علی رضی اللہ تعالی عنہ کا کوئی معاملہ ہوتا تو پھر ہم حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی والدہ محترمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو سلام کیوں کرتے ہیں؟ اصل معاملہ رسول پاک ﷺ پر ایمان لانے کا ہے۔ حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ایمان لے آئیں تو ہم انہیں مسلمان بھی مانتے ہیں اوران کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں۔ اور چونکہ والد کا ایمان ثابت نہ ہوا تو ہم ان کے عدم ایمان کے قائل ہیں۔ ماننا تھا تو سرکار دو عالم ﷺ کی وجہ ہی سے ماننا تھا، نہیں مانا تو سرکار دو عالم ﷺ کی وجہ ہی سے نہیں مانا۔ اگر کوئی معاذ اللہ بغض مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے ابوطالب کے کفر کا قول کرتا ہے تو ہم ہرگز اس سے متفق نہیں، بلکہ وہ شخص ایمان ابی طالب نہ ماننے کی وجہ سے تو کافر نہیں ہوگا لیکن بغض مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

اب مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے چند جملے جن میں کوزے میں دریا نہیں سمندر کو بند کر دیا گیا ہے، پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس میں کھل کر اظہارِ حقیقت بھی ہے اور اعترافِ حکم شریعت بھی ہے، مسئلہ ایمان ابی طالب میں مسلک اہل سنت و جماعت پر کاربند حضرات کے ایمان و یقین کے لیے اجالا بھی ہے۔ اور ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی ہے۔ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ ابوطالب تمام عمر حضور سید المرسلین، سید الاولین والآخرین، سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم الی یوم القرار کی حفظ وحمایت وکفالت ونصرت میں مصروف رہے، اپنی اولاد سے زیادہ حضور ﷺ کو عزیز رکھا، اور اس وقت میں ساتھ دیا کہ ایک عالم حضور ﷺ کا دشمنِ جاں ہو گیا تھا، اور حضور ﷺ کی محبت میں اپنے تمام عزیزوں قریبوں سے مخالفت گوارا کی، سب کو چھوڑ دینا قبول کیا، کوئی دقیقہ غمگساری و جاں نثاری کا، نامرعی نہ رکھا، اور یقیناً جانتے تھے کہ حضور افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ کے سچے رسول ہیں، ان پر ایمان لانے میں جنت ابدی اور تکذیب میں جہنم دائمی ہے، بنو ہاشم کو مرتے وقت وصیت کی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرو فلاح پاؤ گے، نعت شریف میں قصائد، ان سے منقول، اور ان میں برائے فراست وہ امور ذکر کیے کہ اس وقت تک واقع نہ ہوئے تھے بعد بعثت شریف ان کا ظہور ہوا، یہ سب احوال مطالعہ احادیث ومراجعتِ کتبِ سِیَر سے ظاہر۔ ایک شعر ان کے قصیدے کا صحیح بخاری شریف میں بھی مروی:

وَاَبْیَض یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامیٰ عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ

(وہ گورے رنگ والے جن کے روئے روشن کے توسل سے مینھ برستا ہے، یتیموں کے جائے پناہ بیواؤں کے نگہبان ﷺ۔ت)

محمد بن اسحاق تابعی صاحبِ سیر ومغازی نے یہ قصیدہ بتمامہا نقل کیا جس میں ایک سو دس (۱۱۰) بیتیں مدحِ جلیل ونعتِ منیع پر مشتمل ہیں۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ شرح صراط مستقیم میں اس قصیدہ کی نسبت فرماتے ہیں: یہ قصیدہ ابوطالب کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت اور آپ کی نبوت کی انتہائی معرفت پر دلالت کرتا ہے۔ ترجمہ)

مگر مجرّد ان امور سے ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ کاش یہ افعال واقوال اُن سے حالتِ اسلام میں صادر ہوتے تو سیدنا عباس بلکہ ظاہراً سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی افضل قرار پاتے اور افضل الاعمام حضور افضل الانام علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام کہلائے جاتے۔ تقدیر الٰہی نے بربنا اُس حکمت کے جسے وہ جانے یا اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اُنہیں گروہ مسلمین وغلامان شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں شمار کیا جانا منظور نہ فرمایا: ''فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ'' (تو عبرت لو اے نگاہ والو!۔ت) صرف معرفت گو کیسی ہی کمال کے ساتھ ہو ایمان نہیں، دانستن وشناختن اور چیز ہے اور اذعان وگرویدن اور۔'' [فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر 29، صفحہ نمبر 657-658]

باوجود اس کے کہ یہ موقف اتنا متواتر اور مستند ہے اور اس پر اہل حق کا اجماع ہے۔ 1988ء سے اس موقف کے اہم دلائل بندۂ ناچیز کے مطالعہ میں تھے مگر اس کے باوجود بندۂ ناچیز نے کبھی بھی اس موضوع پر جلسہ نہیں کیا، اور نہ ہی کبھی اسے اپنی تقریر کا حصہ بنایا۔ 1990ء سے

لے کر آج تک میرے تقریباً 15000 خطابات ریکارڈ پر موجود ہیں۔ ان میں سے کسی بھی تقریر میں مجمع عام میں اس بارے میں گفتگو نہیں کی۔ یہاں تک کہ دورۂ حدیث شریف پڑھاتے ہوئے بخاری شریف اور مسلم شریف میں عدم ایمان ابی طالب کی جب یہ احادیث گزرتی ہیں تو بندۂ ناچیز ہر سال دورۂ حدیث سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ اسے کبھی بھی مجمع عام میں اپنے موضوع کا حصہ نہ بنائیں اور نہ اس موضوع پر جلسہ کریں۔ اگر کوئی سوال کرے تو مختصراً اہل سنت و جماعت کا جو عدم ایمان کا موقف ہے وہ بیان کردیں۔ میری اس تنبیہ پر میرے پاس مختلف سالوں میں دورۂ حدیث پڑھنے والے سینکڑوں علماء گواہ ہیں۔

مسئلہ ابی طالب میں توقف کے لحاظ سے غلط مفہوم کی نشاندہی کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''حدیث صحیح ابو طالب کا کفر ثابت کرتی ہے، علمائے اہل سنت ابو طالب کا کفر مانتے ہیں، شیعہ انہیں مسلمان جانتے ہیں، ان کے دلائل مردود و باطل ہیں، ان سب تصریحات کے بعد توقف کا کیا محل۔'' [فتاویٰ رضویہ جلد نمبر 29، صفحہ نمبر 714]

اہل سنت و جماعت کے عوام و خواص سے نہایت دردمندانہ اپیل:

اگرچہ مسلک اہل سنت کے مطابق ایمان ابی طالب ثابت نہیں مگر ہمیں ہرگز اس پر خوشی نہیں اور نہ ہی کبھی کوئی خوشی کا اظہار کرے اور مسئلہ ابی طالب میں یہ بات بھی از حد ضروری ہے کہ یہ بحث صرف حکم شرعی کے بیان اور حکم شرعی کے اثبات تک رہے، اس میں ہرگز کسی کو ابو طالب کی بے ادبی اور توہین کی اجازت نہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ حکم شرعی کا بیان یعنی ان کی طرف عدم ایمان کی نسبت کرنا ہی توہین ہے تو یہ جہالت ہے۔ خلیفہ اعلیٰ حضرت سید الفقہاء حضرت پیر سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: ''کفر کو کفر کہنا حکم شریعت بیان کرنا ہے ہرگز گالی نہیں ہے۔'' [فتاویٰ دیداریہ جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 654]

چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز ابو طالب اور ابولہب میں فرق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''ہاں ابولہب و ابلیس لعنہما اللہ کی مثل کہنا محض افراط اور خون انصاف کرنا ہے، ابو طالب کی عمر خدمت و کفالت و نصرت و حمایتِ حضرت رسالت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ میں کٹی، اور یہ ملاعنہ در پردہ وعلانیہ درپے ایذاء و اضرار رہے، کہاں وہ جس کا وظیفہ مدح و ستائش ہو، اور کہاں وہ شقی جس کا وردِ ذم و نکوش ہو، ایک اگرچہ خود محروم اور اسلام سے مصروف مگر بتسخیر تقدیر نفع اسلام میں مصروف، اور دوسرا مردود و متمرد و عدو و معاند ہمہ تن کسر بیضہ اسلام میں مشغوف ''ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا'' (ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ت) آخر نہ دیکھا جو صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ ابو طالب پر تمام کفار سے کم عقاب ہے اور یہ اشقیاء ان میں ہیں جن پر اشد العذاب ہے۔'' [فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر 29، صفحہ نمبر 740]

حالات حاضرہ میں مسلک اہل سنت پر شدید ترین حملوں کے باوجود مجھے اپنے طور پر دور دور تک چھائے ہوئے سناٹے پر تعجب ضرور ہے، لیکن ہر کسی کا اپنا اپنا طریق کار ہے۔ مگر میں علماء و مشائخ، وارثان مسند ارشاد، اصحاب سجادہ اور صوفیائے کرام کی توجہ مذکورہ احادیث کے ساتھ ساتھ تاجدارِ گولڑہ شریف سیدنا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے ملفوظاتِ مہریہ کے ملفوظ نمبر 156 کی طرف بھی ضرور کروانا چاہتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: ''کفار کا مومنین کے ساتھ جنگ کرنا درحقیقت اتنا مضر نہیں جتنا کہ بداعتقاد لوگوں کی تقریر و تحریر۔ کیونکہ کفار کے ساتھ جنگ سے بڑی تکلیف یہی ہوتی ہے کہ مومن کفار کی تلوار کے غلبہ سے مقتول ہوتے ہیں لیکن ایمان رکھتے ہوئے مقتول ہونا تو ایک بڑی کامیابی ہے۔ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں انسان محل حوادث ہے، جسم برباد بھی ہو جائے مگر ایمان باقی رہے تو کوئی ضرر نہیں مگر جو شخص اسلام کا دعویٰ کرے اور محراب میں منبر پر کھڑے ہو کر واعظانہ صورت میں، ناصحانہ آیات و احادیث پڑھ کر بے جا تاویلوں اور حیلہ بازیوں سے اہل اسلام کے عقیدوں میں خلل پیدا کرے تو ایسے شخص کا ضرر بہت زیادہ ہے، کیونکہ اس کی زبان کا ڈنگ روح اور ایمان کے لئے ایک

خطرناک اژدھا ہے جس سے متاعِ اسلام برباد ہوتی ہے، صحبتِ بد کا اثر برے کام کرنے سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے ہم سے تو ایسی فقیری نہیں ہو سکتی کہ عقائد متواترہ اسلامیہ پر ایسے حملوں کے وقت خاموش بیٹھ کر تماشا دیکھا کریں۔ اور ہم ایسے فقر سے بھی ہزار دل سے بیزار ہیں جو عین مداہنت اور بے غیرتی ہو۔ مرزا قادیانی سے مقابلہ کے وقت بھی بعض مہربانوں نے جو اخلاص کا معنی نہیں جانتے اعتراض کیا کہ فقراء کا کام بحث مباحثہ نہیں۔ انہوں نے یہ نہ جانا کہ یہ جہاد اس شخص کے ساتھ جس کے خیالات فاسدہ کی تیغ بے دریغ سے ملت محمدی برباد ہو رہی ہے۔''

[ملفوظات مہریہ، ملفوظ نمبر 156 رقم الصفحہ: 117 گولڑہ شریف پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ لاہور]

اللہ تعالیٰ کا کروڑوں بار شکر ہے کہ کسی طرح کی بدعقیدگی کا رد ہو یا کسی بھی بدعملی کا سد باب ہو بندہ ناچیز کی پالیسی وہی ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا ہے، اور اس کے مائنڈ سیٹ کا خمیر فتاویٰ رضویہ سے اٹھا ہے۔ مجدد دین وملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے برملا کہا تھا: ''الحمدللہ! اس فقیر بارگاہِ غالب قدیر عز جلالہ کے دل میں کسی شخص سے نہ ذاتی مخالفت نہ دنیوی خصومت، مجھے میرے سرکار ابد قرار حضور پرنور سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محض اپنے کرم سے اس خدمت پر مامور فرمایا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو ایسوں کے حال سے خبردار رکھوں جو مسلمان کہلا کر اللہ واحد قہار جل جلالہ اور محمد رسول اللہ ماذون مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس پر حملہ کریں، تا کہ میرے عام بھائی مصطفیٰ ﷺ کی بھولی بھالی بھیڑیں ان ''ذیاب فی ثیاب'' کے جبوں، عماموں، مولویت، مشیخیت کے مقدس ناموں، قال اللہ وقال الرسول کے روغنی کلاموں سے دھوکے میں آکر شکار گرگاں خونخوار ہو کر معاذ اللہ سقر میں نہ گریں۔ یہ مبارک کام بحمد المنعام اس عاجز کی طاقت سے بدرجہا خوب تر وفزوں تر ہوا، اور ہوتا ہے، اور جب تک وہ چاہے گا ہو گا، ۔''ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَ عَلَی النَّاسِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' اس سے زیادہ نہ کچھ مقصود نہ کسی کی سب وشتم و بہتان وافتراء کی پروا۔ میرے سرکار ﷺ نے مجھے پہلے ہی سنا دیا تھا: وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا-وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (القرآن الکریم ۳/۱۸۶) بے شک تم ضرور مخالفوں کی طرف سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر صبر وتقوی کرو تو وہ بڑی ہمت کا کام ہے۔) میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افتراء کرتے، برا کہتے ہیں اُتنی دیر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدگوئی، منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں، میں چھاپ چکا، اور پھر لکھتا ہوں میری آنکھ کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ میری اور میرے آباء کرام کی آبروئیں عزتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سپر رہیں، اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ''[فتاویٰ رضویہ جلد:15، ص 87,88]

نوٹ: یہ معروضات تمام سنّی علماء ومشائخ کے مقام ومرتبہ اور درجہ بدرجہ آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کی گئی ہیں۔ مقصد کسی کا دل دکھانا نہیں حقیقتِ حال کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ جو مجھ سے علم وعمر میں بڑے ہیں بالخصوص سادات کرام وہ میرے مخاطب نہیں، لیکن اگر ان گزارشات کو پڑھنے کے بعد انہیں اپنے رویے یا کردار میں کوئی قابل اصلاح چیز نظر آئے تو ضرور توجہ فرمائیں۔ اس موضوع پر روافض ہمارے مخاطب نہیں ہیں، چونکہ ان کے ہاں ادلہ کا معاملہ مختلف ہے چنانچہ ان سے بحث کا طریقہ بھی مختلف ہے۔ یہ صرف اصلاح اہل سنت کے لیے چند قیمتی باتیں سپرد قلم کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین۔ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

والسلام مع الف اکرام

محمد اشرف آصف جلالی

قومی مسائل قسط شانز دہم

بی جے پی کا کردار

قومی خدمات یا مذہبی جذبات

طارق انور مصباحی

{tariqueanwer313@gmail.com}

بھارت میں بی جے پی نے اکثریتی طبقہ کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کر کے حکومت پر قبضہ کرنے کی سیاست اپنائی۔اس طریق کار سے بھاجپا کو وقتی کامیابی ضرور ملی،لیکن ملک میں نفرت وعداوت کا ماحول گرم ہوا۔قتل وقتال،ماب لنچنگ اور فرقہ وارانہ فسادات تک کی نوبت آئی۔اہل بھارت کو معاشی،اقتصادی،تعلیمی یا کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں ہوا،بلکہ اقتصادی طور پر ملک انتہائی خستہ حالت میں آچکا ہے۔

اگر مذہبی جذبات کی جگہ قومی خدمات کی راہ اختیار کی جاتی تو بھی کامیابی کی امید تھی،جس طرح لوک سبھا الیکشن 2014 میں بھاجپا فلاح و بہبود اور ملکی ترقی کا نعرہ لگا کر الیکشن میں اتری اور کامیابی حاصل کی۔صالح افکار ونظریات کو ایک زندگی نصیب ہوتی ہے،جب کہ جذبات کے سہارے طویل مدت تک کسی ملک پر حکمرانی کا خواب ایک سیاسی غلطی ہے۔کسی بھی مذہب کے لوگ ہوں،وہ امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔بہت کم ہی لوگ فتنہ پروری کو مشغلہ بناتے ہیں۔فرقہ وارانہ فسادات میں جن ہندوؤں کے بیٹے،بھائی،باپ وغیرہ کی موت ہو جاتی ہے،کیا وہ کبھی ان فسادات کی تائید کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ان کے دل کی آوازسنیں،وہ کیا کہتے ہیں۔

دہلی فساد:فروری2020میں26:سالہ راہل سولنکی کی موت ہوئی۔وہ دودھ لینے گھر سے نکلا تھا۔وہ اپنے گھر سے تقریباً پچاس میٹر دوی پر تھا کہ ایک بھیڑ اس کی طرف دوڑتی ہوئی آئی،کسی نے گولی چلائی،جو اس کے گلے میں لگی۔راہل کے والد ہری سنگھ سولنکی نے روتے ہوئے بی جے پی لیڈر کپل مشرا پر الزام عائد کیا کہ اس کی وجہ سے میرا بیٹا چلا گیا۔اس نے کہا کہ سی اے اے(CAA) مخالف مظاہرہ تو دو مہینے سے چل رہا تھا،لیکن امن تھا۔کپل مشرا نے آ کر آگ لگائی۔(فکروخبر بھٹکل:25:مارچ2020)

اسی فساد میں آئی بی افسر،انکت شرما کی موت ہوئی۔روزنامہ ایشیا ایکسپریس(29:فروری2020) کی رپورٹ میں ہے کہ ''دی وال اسٹریٹ جرنل'' کی رپورٹ میں ہے کہ انکت شرما کے بھائی انکور شرما نے انکشاف کیا ہے کہ جن لوگوں نے انکت شرما کو مارا ہے،وہ لوگ ''جے شری رام'' کا نعرہ لگا رہے تھے،اوران کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔انکور شرما نے بتایا کہ انکت شرما گھر لوٹ رہا تھا کہ فسادیوں کے ایک گروپ نے پتھر پھینکنا شروع کر دیا اور انکت کو پکڑ کر ایک گلی میں لے گئے۔رپورٹ کے مطابق انکور شرما نے کہا کہ فسادی پتھر،چھڑ،چاقو اور تلواروں سے لیس ہو کر آئے تھے۔وہ زور زور سے''جے شری رام'' کے نعرے لگا رہے تھے۔کچھ نے ہیلمٹ بھی پہن رکھا تھا۔جو لوگ انکت کی مدد کرنے کے لیے سامنے آئے،ان پر فسادیوں نے پتھر اور اینٹ پھینکنا شروع کر دیا۔اگلے دن انکت کی لاش ایک نالے میں ملی۔

انکت پر حملہ کرنے والے جے شری رام کا نعرہ لگا رہے تھے،لیکن انکت کے قتل کا مقدمہ عام آدمی پارٹی کے کونسلر طاہر حسین پر درج کر

دیا گیا۔میڈیا میں خوب شور مچایا گیا اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ دھرم کے نام پر انکت شرما کو نشانہ بنایا گیا ہے، تاکہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کو ہوا دی جائے۔میڈیا میں بار بار کہا گیا کہ انکت کے جسم پر چاقو کے چار سو زخم تھے۔وزیر داخلہ امیت شاہ نے بھی یہی بات پارلیامنٹ میں کہی، حالاں کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں بتایا گیا کہ اس کے جسم پر چاقو کے بارہ نشان ہیں۔چوٹ کے تینتیس نشان ہیں۔چھ کٹ کے نشان ہیں۔سر پر راڈ اور ڈنڈے سے چوٹ کے نشان ہیں۔(دی وائر،15:مارچ2020)

ذیل میں بی جے پی کی تاریخ رقم کی جاتی ہے کہ کس طرح قومی جذبات کو برانگیختہ کر کے اور اکثریتی طبقہ کو ورغلا کر بھاجپا نے اقتدار کی منزلیں طے کی ہیں۔دراصل آرین اقوام کی ذہنیت ہی ایسی ہے۔وہ لوگ قومی بھلائی پر اپنی بھلائی کو ترجیح دیتے ہیں۔اب بھارت کی مول نواسی اقوام (اصل باشندگان) حقائق سے آشنا ہونے لگی ہیں، اور رفتہ رفتہ بی جے پی کا دائرہ سمٹتا جارہا ہے۔زوال کے بعد بھاجپا کے عروج کی امید نظر نہیں آتی، کیوں کہ مذہبی جذبات کی بنیاد پر وہ مول نواسی اقوام کو ورغلا دیتی تھی۔اب یہ لوگ تعلیم یافتہ اور باشعور ہوتے جارہے ہیں۔

کمنڈل بنام منڈل

وی پی سنگھ(1931-2008) کی جنتا دل پارٹی نے لوک سبھا الیکشن 1989 میں 143:سیٹ حاصل کی۔جنتا دل نے دیگر پارٹیوں کے ساتھ مل کر حکومت سازی کی۔وی پی سنگھ نے منڈل کمیشن کی سفارش پر اوبی سی (OBC) کے لیے 07:اگست 1990 کو 27:فی صد ریزرویشن حکومتی ملازمتوں میں دیا۔بھاجپا نے لوگوں کو رام جنم بھومی کے نام پر اپنی طرف کھینچ لیا۔اسی کو کمنڈل بنام منڈل کہا جاتا ہے۔

وی پی سنگھ نے اوبی سی کے لیے 27:فی صد ریزرویشن دیا، لیکن ایل کے اڈوانی نے بابری مسجد کے نام پر اوبی سی کو بی جے پی کے ساتھ کرلیا، کیوں کہ اس وقت اوبی سی میں تعلیم کی کمی تھی۔ریزرویشن کے سبب اوبی سی کی اقتصادی حالت درست ہوسکتی تھی، لیکن اقتصادی پروگرام پر مذہبی نعرہ غالب آیا اور اوبی سی کے لوگ بی جے پی کی طرف چلے گئے۔اگلے لوک سبھا الیکشن 1991 میں بھاجپا کو 120:سیٹ اور وی پی سنگھ (جنتا دل) کو صرف 59:سیٹ مل سکی۔جب کہ 1989 کے لوک سبھا الیکشن میں وی پی سنگھ (جنتا دل) کو 143:سیٹ ملی تھی اور بھاجپا کو پہلی بار 85:سیٹ ملی تھی۔1989 میں وی پی سنگھ نے حکومت بنائی تھی۔اوبی سی کو ریزرویشن دینے کے باوجود 1991 کے لوک سبھا الیکشن میں جنتا دل ہار گئی۔اوبی سی (OBC) کو جنتا دل کے ساتھ آنا چاہئے تھا، لیکن اڈوانی نے دھرم کے نام پر اوبی سی کو اچک لیا تھا۔

منوواد کا ہزاروں سالہ قدیم طریقہ ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو ظلم وجبر سے یا مخالفین کو آپس میں لڑا کر یا مخالف قائد کو بھگوان یا بھگوان کا اوتار بتا کر اپنے اندر ضم کر لیتا ہے۔اس کے علاوہ بھی بہت سے طریقے ہیں۔اڈوانی نے مذہبی جذبات بھڑکا کر اوبی سی کو اپنے ساتھ کرلیا۔

بی جے پی کا قیام(1980)

1980 میں بی جے پی پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔یہ پارٹی دراصل ''جن سنگھ پارٹی'' کی بدلی ہوئی شکل ہے۔یہ پارٹی ''ہندوتو'' (Hindu Nationalism) کو ملکی قومیت تسلیم کرتی ہے، یعنی ہندوانہ رسم ورواج ملک کا ثقافتی وتہذیبی حصہ ہے۔ہر بھارتی اس تہذیب وثقافت کو اختیار کرے، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی، یہودی ہو یا پارسی، اسی لیے بی جے پی دستور ہند میں بھی تبدیلی لانے کے لیے قسم قسم کے ذرائع اختیار کرتی ہے۔ہندوتو کو فروغ دینے کے لیے یکساں سول کوڈ (Common Civil Code) کا نفاذ بھی اس پارٹی کے اہم اہداف میں شامل ہے۔گئوکشی پر پابندی بھی اس کے منشور میں ہے۔بابری مسجد کی جگہ رام مندر کا قیام اور کشمیر کی خصوصی حیثیت کو ختم کرنا بھی اس کے بنیادی مقاصد میں تھا، یہ دونوں مقصد پورے ہوگئے۔اس طرح پانچ اہم مقاصد اس پارٹی کے اصل منشور میں شامل ہیں۔

(1)ہندوقومیت (Hindu Nationalism) (2) یکساں سول کوڈ (Common Civil Code)

(3) گئوکشی پر پابندی (Banning cow slaughter)

(4) رام مندر کی تعمیر (Building of Ram temple in Ayodhya)

(5) کشمیر کی خصوصی مراعات کو ختم کرنا (Abolishing the special status given to Jammu & Kashmir)

بھارتی جن سنگھ پارٹی

1951 میں بھارتی جن سنگھ (BJS) کا وجود ہوا۔ ڈاکٹر شیام پرساد مکھر جی نے یہ پارٹی بنائی۔ ڈاکٹر مکھر جی بنگال کا باشندہ تھا۔ یہ کانگریس پارٹی میں کیبنیٹ وزیر تھا۔ جموں کشمیر کے مسئلہ پر جب کانگریس حکومت نے آرٹیکل 370 پاس کیا تو یہ اس کی مخالفت میں وزارت سے استعفٰی دے کر جموں کشمیر کے انڈیا میں مکمل انضمام کا موضوع اٹھایا۔

آر ایس ایس کے گرو گولوالکر (Golwalkar) سے ملاقات کے بعد 21: اکتوبر 1951 کو مکھر جی نے یہ پارٹی بنائی۔ اس پارٹی کی پالیسی کانگریس پارٹی کے برخلاف تھی۔ بی جے ایس پارٹی سنگھ پریوار (Sangh Parivar) اور آر ایس ایس (Rashtriya Swayamsevak Sangh) کا ایک سیاسی حصہ تھی۔ 1952 کے لوک سبھا الیکشن میں جن سنگھ پارٹی کو تین سیٹ پر کامیابی ہوئی۔

ڈاکٹر مکھر جی کشمیر میں حکومت کے خلاف احتجاج کے سبب 11: مئی 1953 کو گرفتار ہوا، پھر جیل ہی میں ہارٹ اٹیک (Heart Attack) کے سبب 23: جون 1953 کو اس کی موت ہوگئی۔ اس کے بعد پنڈت دیندیال اپادھیائے (Deendayal Upadhyaya) پارٹی لیڈر رہا۔ پنڈت دیندیال کے عہد میں اٹل بہاری واجپائی اور لال کرشن اڈوانی نے جن سنگھ پارٹی میں شرکت کی۔

1967 میں دیندیال کی موت ہوگئی۔ اس کے بعد اٹل بہاری واجپائی کو پارٹی لیڈر بنایا گیا۔ سال 1977 میں جن سنگھ پارٹی، جنتا پارٹی کے ساتھ مخلوط ہوگئی۔ اسی سال جنتا پارٹی بھاری اکثریت کے ساتھ لوک سبھا الیکشن میں کامیاب ہوئی۔ جنتا پارٹی نے مرار جی ڈیسائی کو وزیر اعظم بنایا۔ جن سنگھ پارٹی بھی جنتا پارٹی کے ساتھ مخلوط ہو چکی تھی، اس لیے اس پارٹی کے لیڈر اٹل بہاری واجپائی کو وزیر خارجہ بنایا گیا۔

جنتا پارٹی کی حکومت 1980 میں تحلیل کر دی گئی۔ اسی سال یعنی 6: اپریل 1980 کو جن سنگھ پارٹی کے ممبران، اٹل بہاری، اڈوانی وغیرہ نے ''بھارتیہ جنتا پارٹی'' (BJP) بنائی۔ اٹل بہاری واجپائی اس پارٹی کا پہلا صدر رہا۔ بی جے پی لیڈروں کی فہرست درج ذیل ہے۔

بی جے پی کے صدور

(1) اٹل بہاری واجپائی (۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۶ء) (2) لال کرشن اڈوانی (۱۹۸۶ء تا ۱۹۹۰ء) (3) مرلی منوہر جوشی (۱۹۹۱ء تا ۱۹۹۳ء)
(4) لال کرشن اڈوانی (۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۸ء) (5) خوشا بھاؤ ٹھاکرے (۱۹۹۸ء تا ۲۰۰۰ء) (6) بنگارو لکشمن (۲۰۰۰ء تا ۲۰۰۱ء)
(7) کے جنا کرشنا مورتی (۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۲ء) (8) ایم وینکیا نائیڈو (۲۰۰۲ء تا ۲۰۰۴ء) (9) لال کرشن اڈوانی (۲۰۰۴ء تا ۲۰۰۵ء)
(10) راجناتھ سنگھ (۲۰۰۵ء تا ۲۰۰۹ء) (11) نتن گڈکیری (۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۳ء) (12) راجناتھ سنگھ (۲۰۱۳ء تا ۲۰۱۴ء)
(13) امت شاہ (۲۰۱۴ء تا ۲۰۲۰ء) (14) جے پی نڈا (۲۰۲۰ء - تا حال)

لوک سبھا الیکشن میں بی جے پی کی کامیابیاں

(1) ساتواں لوک سبھا الیکشن 1980 = ایک سیٹ بھی نہیں (2) آٹھواں لوک سبھا الیکشن 1984 = 2: سیٹ

(3) نواں لوک سبھا الیکشن 1989=85: سیٹ (4) دسواں لوک سبھا الیکشن 1991=120: سیٹ

(5) گیارہواں لوک سبھا الیکشن 1996=161: سیٹ (6) بارہواں لوک سبھا الیکشن 199=182: سیٹ

(7) تیرہواں لوک سبھا الیکشن 1999=182: سیٹ (8) چودہواں لوک سبھا الیکشن 2004=138: سیٹ

(9) پندرہواں لوک سبھا الیکشن 2009=116: سیٹ (10) سولہواں لوک سبھا الیکشن 2014=282: سیٹ

(11) سترہواں لوک سبھا الیکشن 2019=303: سیٹ۔

1980 کے لوک سبھا الیکشن میں بی جے پی کو ایک سیٹ بھی نہ مل سکی۔ تب بی جے پی نے مذہبی منافرت پھیلا کر ہندوؤں کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ 1984 کے لوک سبھا الیکشن میں بی جے پی کو 2: سیٹ ملی، جب کہ کانگریس کو 404: سیٹوں پر کامیابی ملی۔ بی جے پی نے سال 1986 میں اڈوانی کو پارٹی صدر بنادیا، اس نے رام جنم بھومی تحریک کے نام پر ہندوؤں کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور ایودھیا میں بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانے کا موضوع اٹھایا۔ 25: ستمبر 1990 کو اڈوانی نے بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانے کے لیے سومناتھ مندر (گجرات) سے ایودھیا تک کا ''رام رتھ یاترا'' نکالا، جس سے ملک بھر میں ہندو مسلم فسادات (Riots) پھوٹ پڑے۔ اڈوانی کو لالو پرساد یادو نے 23: اکتوبر 1990 کو سمستی پور میں گرفتار کرلیا اور وہ ایودھیا تک نہ جاسکا۔

رتھ یاترا کے فوائد ونتائج: اسمبلی الیکشن ولوک سبھا الیکشن

بھاجپا کی کامیابی میں ملک بھر میں پھیلائی گئی ہندو مسلم منافرت کا بھی عمل دخل ہے، اوراس سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آر ایس ایس کے کارکنان ملک بھر میں بھاجپا کے لیے ماحول سازی کرتے رہتے ہیں۔ آر ایس ایس کے کارکنان ورضا کاران کے ساتھ ان لوگوں کا بھی بی جے پی کی کامیابی میں کلیدی کردار ہے جو لوگ آر ایس ایس کے اسکولوں میں پڑھ کر ملک کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے۔

آر ایس ایس نے ملک بھر میں اسکولوں کا جال بچھا رکھا ہے۔ وہاں بچوں کو ہندتوا کی گھٹی پلائی جاتی ہے۔ وہ کسی اعلیٰ منصب پر پہنچ جائیں، بچپن میں ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی جو آگ بھڑکائی جاتی ہے، وہ مرتے دم تک بجھتی نہیں۔ دیگر اقوام بھی پرائیویٹ اسکول قائم کریں اور بچوں کی صالح تربیت کریں۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ نوجوانوں کی صحیح ذہن سازی تعلیم گاہوں میں ہوسکتی ہے۔

آر ایس ایس کی بنیاد 27: ستمبر 1925 کو ناگپور میں رکھی گئی تھی۔ تقریباً ایک صدی کے اندر اس نے یہ کامیابی حاصل کرلی کہ ہر محکمہ میں اس کے لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ ملک کا پی ایم بھی آر ایس ایس کا پرچارک رہ چکا ہے۔ بھاجپا کی کامیابیوں کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

1991 میں یوپی کے اسمبلی الیکشن میں بی جے پی کو کامیابی ملی۔ یوپی میں کل اسمبلی سیٹ 419: تھی۔ 1991 کے یوپی اسمبلی الیکشن میں بی جے پی کو 221: سیٹ پر کامیابی ملی، جب کہ جنتادل (ملائم سنگھ یادو) کو صرف 92: سیٹ ملی۔ بی جے پی کی حکومت بنی اور کلیان سنگھ کو وزیراعلیٰ بنایا گیا۔ بی جے پی نے سال 1993 میں دہلی کا اسمبلی الیکشن جیت لیا، پھر مارچ 1995 میں گجرات اور مہاراشٹر کا اسمبلی الیکشن جیتا۔

ساتویں لوک سبھا الیکشن 1980 میں ایک سیٹ بھی نہیں مل سکی۔ آٹھویں لوک سبھا الیکشن 1984 میں صرف 2: سیٹ ملی۔ 1986 میں لال کرشن اڈوانی کو بھاجپا کا صدر بنایا گیا۔ اڈوانی نے رام جنم بھومی مندر کی آواز بلند کرکے ہندوؤں کو ورغلانا شروع کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ نویں لوک سبھا الیکشن 1989 میں بی جے پی کو 85: سیٹ ملی، جب کہ دسویں لوک سبھا الیکشن سال 1991 میں 120: سیٹ ملی۔

بی جے پی پریسیڈنٹ لال کرشن اڈوانی نے اعلان کیا کہ اگر پارٹی 1996 میں لوک سبھا کا الیکشن جیت جاتی ہے تو اٹل بہاری واجپائی کو وزیراعظم بنایا جائے گا۔ اس الیکشن میں بی جے پی سب سے زیادہ سیٹ یعنی 161: سیٹوں پر کامیاب ہوئی۔ اٹل بہاری واجپائی کو وزیر

اعظم بنایا گیا، لیکن صرف 13 دنوں میں یہ حکومت ختم ہوگئی، کیوں کہ کسی پارٹی کے پاس حکومت سازی کے لیے لازمی سیٹیں موجود نہیں تھیں۔

بی جے پی نے اپنی حامی پارٹیوں کے ساتھ ایک اتحاد بنایا، جسے این ڈی اے (National Democratic Alliance) کا نام دیا گیا۔ 1998 کے لوک سبھا الیکشن میں این ڈی اے کو اکثریت حاصل ہوئی اور اس نے حکومت بنائی۔ اٹل بہاری دوسری مرتبہ وزیر اعظم ہوا۔ مئی 1999 میں این ڈی اے میں شامل پارٹی AIADMK کی لیڈر جے للیتا نے اپنا سپورٹ واپس لے لیا، جس کے سبب یہ حکومت گرگئی۔ اکتوبر 1999 کے لوک سبھا الیکشن میں این ڈی اے کو 303 سیٹوں پر کامیابی ملی اور اس نے حکومت سازی کی۔ اٹل بہاری کو تیسری بار وزیر اعظم بنایا گیا۔ ایل کے اڈوانی نائب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ ہوا۔ اس حکومت نے اپنی پانچ سالہ مدت مکمل کیا۔

2004 کے لوک سبھا انتخاب میں این ڈی اے کو شکست ہوئی اور کانگریس نے حکومت بنائی۔ من موہن سنگھ کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ پندرہویں لوک سبھا الیکشن 2009 میں بی جے پی کو 116 سیٹ ملی اور کانگریس کی حکومت بنی، من موہن سنگھ کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ سولہویں لوک سبھا الیکشن سال 2014 میں بی جے پی کو 282 سیٹ ملی۔ بی جے پی کی حکومت بنی اور نریندر مودی کو وزیر اعظم کا عہدہ ملا۔

اڈوانی کا رام رتھ یاترا

لال کرشن اڈوانی نے 25 ستمبر 1990 کو سومناتھ (گجرات) سے ایودھیا تک کا ''رام رتھ یاترا'' نکالا۔ اس یاترا کا ظاہری ایجنڈا (Agenda) اجودھیا میں بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانا تھا، لیکن یاترا کا اصل کا مقصد ہندوؤں کو متحد کرنا تھا، تاکہ بی جے پی کو الیکشن میں کامیابی ملے۔ اس پلاننگ میں موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی بھی شریک تھا۔ اس یاترا کو سومناتھ مندر سے شروع ہوکر گجرات، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش، بہار اور اتر پردیش کی ریاستوں میں جانا طے ہوا تھا، جس کی مسافت دس ہزار کیلومیٹر متعین کی گئی تھی۔

پھر بھارت کے اکثر علاقوں کا (دس ہزار کیلومیٹر کا سفر) چکر لگاتے ہوئے 30 اکتوبر 1990 کو اجودھیا پہنچنا تھا، لیکن 23 اکتوبر 1990 کو سمستی پور (بہار) میں لالو پرساد یادو، چیف منسٹر آف بہار کے حکم سے اڈوانی کو گرفتار کرلیا گیا۔

اسی طرح اجودھیا جانے والے ڈیڑھ لاکھ کارسیوکوں کو اتر پردیش میں ملائم سنگھ یادو چیف منسٹر آف یوپی کے حکم سے جیل میں ڈال دیا گیا اور ایودھیا جانے پر پابندی لگادی گئی، کیوں کہ اس یاترا کے سبب ملک بھر میں ہندو مسلم فسادات ہونے لگے تھے۔

پابندی کے باوجود بہت سے کارسیوک ایودھیا پہنچ گئے، جن کی تعداد پچھتر ہزار بتائی جاتی ہے۔ بعض رپورٹ کے مطابق چالیس ہزار کارسیوک پہنچ سکے تھے۔ حکومت اتر پردیش کی جانب سے بیس ہزار پولیس فورس بابری مسجد کی حفاظت کے لیے موجود تھا۔ 30 اکتوبر کو بہت سے کارسیوک پولیس فورس کی جانب سے ممنوعہ حصہ (cordon) میں داخل ہوگئے۔

پولیس سے تصادم کے باوجود کارسیوک کا ایک گروپ بابری مسجد تک پہنچ گیا۔ ایک کارسیوک مسجد کے گنبد پر ایک زعفرانی جھنڈا چڑھا دیا، بعض دوسرے کارسیوک کلہاڑی اور ہتھوڑوں سے مسجد توڑنے لگے۔ پولیس نے آنسو گیس چھوڑا۔ بہت سے کارسیوک وہاں سے بھگادیئے گئے، لیکن کارسیوکوں کا ایک گروپ سیکوریٹی فورس کے ساتھ الجھ پڑا۔

دونوں جانب سے مقابلہ آرائی ہوئی، جس میں وشو ہندو پریشد (VHP) کے 20 کارسیوک مارے گئے۔ وی ایچ پی نے ان بیس لوگوں کی لاشوں کو شہدائے رام مندر کی حیثیت سے ملک بھر میں گشت کرایا۔ اس طرح سارا بھارت فسادات کی آگ میں جلنے لگا۔ خاص کر جے پور، جودھ پور، احمد آباد، بڑودہ، حیدر آباد، یوپی اور دیگر شہروں میں ہندو مسلم قتل وقتال اور غارت گری کا بازار گرم ہوا۔

1992 میں کارسیوکوں کی بڑی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ ایودھیا پہنچی۔ بی جے پی کے اہم لیڈران، لال کرشن اڈوانی، مرلی منوہر جوشی،

اوما بھارتی وغیرہ بھی اجودھیا پہنچے اور06: دسمبر1992 کو بابری مسجد شہید کردی گئی۔اس وقت یو پی میں بی جے پی کی حکومت تھی۔کلیان سنگھ وزیراعلیٰ تھا، جب کہ مرکز میں کانگریس کی حکومت تھی اور وی پی نرسمہا راؤ وزیراعظم تھا۔کلیان سنگھ نے سپریم کورٹ کو یقین دہانی کرائی تھی کہ بابری مسجد محفوظ وسلامت رہے گی،لیکن بھاجپائی لوگ جھوٹ بولنے میں ماہر ہوتے ہیں۔وہ ایک جھوٹا وعدہ تھا۔انجام کار مسجد شہید کردی گئی۔

بابری مسجد مقدمہ کا پس منظر

سلطنت مغلیہ کے عظیم تاجدار ظہیرالدین بابر بادشاہ ہند کے حکم سے اس کے وزیر میر محمد باقی نے1528 میں اجودھیا میں بابری مسجد کی تعمیر کرائی تھی۔قریباً سوا چار سو سال تک یعنی1528 سے1949 تک یہ مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔

21: دسمبر1949 کو عشا کی نماز بابری مسجد کے امام مولانا عبدالغفور نے پڑھائی۔اسی رات کو ایک مستحکم سازش کے تحت مسجد میں مورتیاں رکھ دی گئیں۔22: دسمبر1949 سے ہندو مسلم فساد ہونے لگا،جس کی وجہ سے حکومت نے اس مسجد کو مقفل کردیا۔

اجودھیا کے باشندہ ہاشم انصاری نے فیض آباد کورٹ میں کیس دائر کردیا۔ایک طویل مدت تک وہاں کیس چلتا رہا، پھر3: فروری 1986 کو ایڈووکیٹ مشتاق احمد صدیقی نے ضلع جج فیض آباد سے مقدمہ کی کاپیاں لے کر ہاشم انصاری کے ساتھ ہائی کورٹ میں اپیل کردی۔

ابھی کیس جاری ہی تھا کہ انتہا پسند ہندوؤں نے 6: دسمبر1992 کو بابری مسجد کو شہید کردیا۔بابری مسجد کو منہدم کرنے کے جرم میں بہت سے لوگوں پر مقدمہ درج ہوا،وہ مقدمہ بھی ابھی جاری ہے۔بہت سے مجرم دنیا چھوڑ گئے اور بعض دیگر دنیا چھوڑنے کے قریب ہیں۔

اجودھیا کے ہاشم انصاری بھارت کی ان نمایاں شخصیتوں میں سے ایک تھے کہ جنہیں تاریخ،انتہائی فخر سے اقوام عالم کے سامنے پیش کرتی ہے۔ہاشم انصاری1949 سے بابری مسجد کا مقدمہ لڑ رہے تھے۔یعنی کل67: سال تک انہوں نے بابری مسجد کا کیس لڑا۔1954 میں ہاشم انصاری نے بابری مسجد میں نماز کا اعلان کیا اور انہیں فیض آباد کورٹ کے فیصلے پر دو سال کے لیے جیل جانا پڑا۔اجودھیا ہی میں 1921 میں ان کی پیدائش ہوئی اور چھیانوے سال کی عمر میں بابری مسجد کا مقدمہ لڑتے ہوئے20: جولائی2016 کو وفات ہوئی۔

بابری مسجد کا پہلا مقدمہ

1885 میں بھی بابری مسجد کے بارے میں بعض ہندوؤں نے دعویٰ کیا تھا کہ یہاں رام چندر جی نے جنم لیا تھا،لہٰذا یہاں مندر تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔فیض آباد کورٹ میں مقدمہ دائر ہوا۔یہ دعویٰ اتنا بے بنیاد تھا کہ جج جو خود بھی ہندو تھا،اس نے پانچ دن کی سماعت کے بعد یہ کیس خارج کردیا۔اس کے بعد متعصب تاریخ نویسوں نے تاریخ گڑھنی شروع کی اور بہت سے لوگ ان کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو گئے، پھر بھارت میں وہ یوم سیاہ بھی آیا کہ بابری مسجد شہید کردی گئی۔آج تک بابری مسجد کی تاریخ شہادت کو بھارت میں یوم سیاہ یعنی ''کالا دن'' سمجھا جاتا ہے اور اس دن بابری مسجد کی یاد منائی جاتی ہے۔

06: دسمبر1992 کو بابری مسجد شہید کردی گئی۔اس کے بعد سارے ملک میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔تاریخی کذب بیانیوں کے سبب اہل وطن حقائق کو سمجھنے سے قاصر رہے،اور تاریخ ہند کی چمکدار پیشانی پر ایک ایسا بدنما داغ لگا کہ اس کی سیاہی قیامت تک دھلی نہ جاسکے گی۔شر پسند عناصر ہر قوم میں ہوتے ہیں،لیکن ارباب شعور پر لازم ہے کہ ان کی بالا دستی قائم نہ ہونے دیں۔صرف سیکولر پارٹیوں کو ووٹ دیا جائے۔ہر کوئی اس حقیقت سے واقف ہے کہ بھاجپا کے مرکز میں قابض ہوتے ہی ملک بھر میں خوف وہراس پھیل جاتا ہے۔

بابری مسجد کے منہدم کرنے والے کارسیوکوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے عذاب میں مبتلا فرمایا۔بعض لوگ طرح طرح کی مصیبتوں

میں مبتلا ہوکر ہلاک ہوگئے اور بعض لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔قبول اسلام کے بعد ان لوگوں کے اعترافی بیانات بھی متعدد اخبارات ورسائل میں شائع ہوئے۔اگر دوبارہ بابری مسجد کواس کی جگہ پر تعمیر کردی جاتی تو وہ مسجد بھارت کی قومی یکجہتی اورانصاف پرستی کی علامت بن جاتی اور ظلم کرنے والوں کے حوصلے ہمیشہ کے لیے پست ہوجاتے ،لیکن اب بھارت کا مستقبل کیا ہوگا،آنے والا وقت بتائے گا۔

بابری مسجد کا فیصلہ(نومبر:2019)

09:نومبر2019 کو سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بنچ نے بابری مسجد کا فیصلہ سنایا۔اس بنچ میں چیف جسٹس رنجن گگوئی ،جسٹس اروند بوبڑے،جسٹس اشوک بھوشن،جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ اور جسٹس ایس عبدالنذیر شامل تھے۔17:نومبر2019 کوگگوئی کا ریٹائرمنٹ ہوا۔

بابری مسجد کی زمین مسجد توڑنے والے مجرموں کودے دی گئی ،اور مسجد کے واسطے اجودھیا میں کسی مقام پر پانچ ایکڑ زمین دینے کی ہدایت مرکزی وریاستی حکومت کودی گئی۔سپریم کورٹ نے کہا کہ مرکزی حکومت تین ماہ کے اندر رام مندر تعمیر کے واسطے ایک ٹرسٹ بنائے۔

چوں کہ بابری مسجد کے ثبوت موجود تھے،اور وہاں پر عہد ماضی میں کسی مندر کے وجود کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوسکا،نہ ہی مسجد کی تعمیر کے لیے کسی مندر کوتوڑنے کا دعویٰ ثابت ہوسکا،اس لیے بھارت اور دنیا کے انصاف پسندوں نے اس فیصلے کوقبول نہیں کیا اور سپریم کورٹ میں اس فیصلے کے خلاف اٹھارہ ریویوپٹیشن داخل کی گئی۔یوپی سنی وقف بورڈ اور ہاشم انصاری کے فرزند اقبال انصاری نے ریویوپٹیشن داخل نہیں کی۔بابری مسجد کیس میں سات مقدمات کی پیروی مسلم پرسنل لا بورڈ کررہا تھا اور ایک مقدمہ کی پیروی جمیعۃ العلما کررہی تھی۔اس میں متعدد وکلا کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔سب سے سینئر وکیل ڈاکٹر راجیودھون تھے۔معاونت کے لیے ایڈوکیٹ ظفریاب جیلانی اور متعدد وکلا تھے۔

02:دسمبر کو جمیعۃ العلما نے نظر ثانی کی ایک عرضی اور 06:دسمبر کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے چھ عرضی،اور 09:دسمبر کو آل انڈیا ہندومہا سبھا نے ایک عرضی داخل کی،اوراسی دن 09:دسمبر کو مختلف مذاہب کے چالیس سماجی کارکنان ودانشوران کے گروپ نے نظر ثانی کی ایک مشترکہ عرضی دائر کی تھی۔نظر ثانی کی 09:عرضیاں مسلم تنظیموں اوراہم شخصیات کی جانب سے مسلم پرسنل لا بورڈ کی حمایت میں دی گئی تھیں ۔ایک عرضی نرموہی اکھاڑا کی طرف سے رام مندر ٹرسٹ سے متعلق دی گئی تھی۔اس کی شمولیت کے بعد انیس عرضی ہوجاتی ہے۔

موجودہ چیف جسٹس ایس اے بوبڑے کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بنچ نے 12:دسمبر2019 کوتمام ریویوپٹیشن کو خارج کردیا۔سابق چیف جسٹس رنجن گگوئی کے ریٹائرمنٹ کے سبب متبادل کے دور پراس بنچ میں جسٹس سنجیوکھنہ کوشامل کیا گیا تھا۔

اس کے بعد پیس پارٹی نے 21:جنوری 2020 کو سپریم کورٹ میں کیوریٹو پٹیشن (Curative Petition) داخل کیا۔مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے بھی کیوریٹو پٹیشن داخل کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔تادم تحریر سپریم کورٹ میں پٹیشن داخل کرنے کی اطلاع فراہم نہیں ہو سکی۔06:مارچ2020 کو پاپولر فرنٹ آف انڈیا نے کیوریٹو پٹیشن داخل کیا تھا۔بابری مسجد کا فیصلہ ہوجانے کے بعد بی جے پی نے سی اے اے،این آرسی اوراین پی آر کا شور مچا رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے:(آمین)

بابری مسجد:انہدام کیس میں 32:نامزد ملزمین تھے۔یہ مقدمہ سی بی آئی کورٹ میں تھا۔30:نومبر2020 کوسی بی آئی کورٹ کے جج ایس کے یادو نے تمام ملزمین کو بری کردیا اور کہا کہ بابری مسجد کا انہدام منصوبہ بند نہیں تھا۔یہ ایک حادثاتی واقعہ تھا۔غیر سماجی عناصر گنبد پر چڑھے،اوراس کوگرادیا۔اٹھائیس سال ہوگئے،آج تک اس کیس کا فیصلہ نہیں ہوسکا،جب سب مجرم مرجائیں گے توفیصلہ سے کیا فائدہ؟ سب کومعلوم تھا کہ بابری مسجد کسی مندر کوتوڑ کرنہیں بنائی گئی تھی،اس کے باوجود مسجد توڑ دی گئی،پھر 05:اگست2020 کواسی جگہ مندر بنانے کے لیے سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔مسجد توڑکراسی جگہ مندر بنانے کا اصلی مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کواس کی کمزوری اور بے بسی کا احساس دلایا جائے۔اس طرح کسی قوم کی ہمت توڑ دی جاتی ہے۔جب ہمت ٹوٹ جاتی ہے تو وہ قوم مثل غلام،بلکہ بدتر از غلام ہوجاتی ہے۔☆

کورٹ کچہری یا دارالافتا و دارالقضا

ابو عاتکہ ازہار احمد امجدی مصباحی ازہری غفرلہ
خادم مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج بستی، یو پی، انڈیا

لوگوں کو نظام اسلام کے مطابق چلنے کی طرف رغبت دلانے میں سب سے بڑا کردار مدارس اسلامیہ کی ایک بہت ہی اہم کڑی دارالإ فتاء والقضاء کا ہے، اس کی اہمیت کل بھی تھی، آج بھی ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گی، اگر ہر ضلع میں منظّم طریقے پر اس کی جانب پیش رفت کی جائے، لائق وفائق وجہاں دیدہ مفتی ہی کو اس کی ذمہ داری دی جائے؛ تو ان شاء اللہ اس کا نتیجہ کم از کم علاقے والوں کے لیے بہت عمدہ ثابت ہوگا، لیکن اسی صورت میں جب ہم اخلاص کے ساتھ اس اہم کام کے لیے بھر پور کوشش ومحنت کریں، مگر قوم مسلم کی عجیب وغریب حالت ہے کہ وہ ہر معاملہ میں تقریبا سنجیدہ نظر آتی ہے مگر جب دین اسلام اور دارالإ فتاء وغیرہ کی بات آتی ہے؛ تو ادھر اُدھر سے کام چلانے کی بات سوچتی ہے، قوم مسلم کا یہ رویہ بالکل غلط ہے، جس طرح قوم مسلم دیگر معاملات میں سنجیدہ ہے، اسی طرح اسے اپنے دین واسلام اور دار الإ فتاء وغیرہ کے بارے میں بھی سنجیدگی دکھانی ہوگی؛ کیوں کہ یہی چیزیں قوم کی دین وسنیت کے بارے میں صحیح رہنمائی کرنے والے ہیں۔

کیا ہم نہیں دیکھ رہے ہیں کہ حکومت نے اسلام مخالف بل پاس کر کے تین طلاق کو ایک طلاق قرار دے دیا، اس سے اور اس جیسے دیگر اسلام مخالف فیصلوں سے یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حکومت مسلمانوں کے تئیں سنجیدہ نہیں ہے اور نہ ہی چاہتی ہے کہ یہ لوگ اسلام وسنت کے مطابق زندگی گزاریں، اگر ہم خود اسلام وسنیت اور دارالإ فتاء وغیرہ سے متعلق سنجیدہ نہیں ہوئے؛ تو حکومت کا یہ رویہ اور مدارس اسلامیہ اور دارالإ فتاء وغیرہ سے ہماری بے اعتنائی، ایک دن ہمیں لے ڈوبے گی؛ اس لیے ڈوبنے سے پہلے جاگنا ہوگا، تباہ ہونے سے پہلے ہوش میں آنا ہوگا؛ تاکہ ہماری قوم مسلم کو کسی کی تباہ کاری کا سامنا نہ کرنا پڑے اور اگر کرنا پڑ گیا؛ تو ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ مخلص علما ومفتیان کرام کو لے کر ہر ضلع میں معیاری دارالافتاء کا قیام کریں، مگر قیام کر کے چھوڑ نہ دیں بلکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی اہمیت اجاگر کرنے کے ذرائع پیدا کریں؛ تاکہ خواہی نہ خواہی لوگ دارالإ فتاء کی طرف رجوع کر کے اپنے مسائل شریعت کی روشنی میں باآسانی حل کر لیں اور انہیں کورٹ وکچہری کے چکر میں دَر دَر کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑیں، کیا ہمیں اور آپ کو نہیں معلوم کہ کورٹ وکچہری کے چکر میں نہ جانے کتنی چپلیں اور جوتیاں گِھس جاتی ہیں مگر معاملہ حل نہیں ہوتا؟! کیا ہمیں نہیں معلوم کہ گھوس وپیچان کی بنیاد پر حق کو ناحق ثابت کر دیا جاتا ہے؟! کیا ہمیں نہیں معلوم کہ مقدمات کے چکر میں نسلیں گزر جاتی ہیں مگر فیصلہ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے؟! لیکن ہم آپ کو بتائیں کہ اگر ہم نے اپنے دارالإ فتاء کی طرف قوم مسلم کو موڑ دیا؛ تو قوم مسلم، اسلام مخالف فیصلوں پر عمل کرنے سے محفوظ ہو جائے گی، اگر ہم نے قوم مسلم کو دارالإ فتاء کا رخ دکھا دیا؛ تو قوم مسلم دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے سے بچ جائے گی، اگر ہم نے قوم مسلم کو دارالإ فتاء کا راستہ دکھا دیا؛ تو قوم مسلم چپلیں اور جوتیاں گِھس گِھس کر نڈھال ہونے سے مامون جائے گی، اگر ہم نے قوم مسلم کو دارالإ فتاء کی حقیقی خدمات سامنے رکھ دی؛ تو قوم مسلم لوٹ کھسوٹ سے بچ جائے گی، اگر ہم نے قوم مسلم کو دارالإ فتاء کی صحیح پہچان کرا دی؛ تو قوم مسلم کے لوگ نسل در نسل پانی کی طرح روپئے بہانے سے بچ جائیں گے۔

میں آپ کو اس کی ایک جیتی جاگتی مثال پیش کرتا ہوں؛ تاکہ آپ پر دارالإفتاء کی اہمیت اور اس کے فوائد بالکل آشکار ہو جائیں، بنگلور بھارت کا بہت بڑا و مشہور و معروف شہر ہے، یہاں کے قاضی محبّ گرامی وقار حضرت مولانا مفتی محمد اسلم مصباحی صاحب قبلہ زید مجدہ ہیں، آپ کے دارالإفتاء میں لوگ جوق در جوق اپنے معاملات کے فیصلے کے لیے آتے ہیں، شریعت اسلامیہ کی روشنی میں چند گھنٹوں یا چند دنوں کے درمیان ان کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور وہ خوشی کے ساتھ مطمئن ہو کر زندگی گزارنے کے لائق ہو جاتے ہیں، وجہ یہ ہے کی دین و شریعت بھی ہاتھ سے نہیں جاتی، روپئے بھی خرچ نہیں ہوتے اور حیرانی کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا، آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ وہ معاملات جو مہینوں، سالوں، کورٹ کچہری میں چلتے رہتے ہیں، وہ معاملات اس دارالإفتاء میں چند گھنٹوں یا چند دنوں یا چند ہفتوں میں بڑی آسانی سے شریعت اسلامیہ کے دائرے میں حل ہو جاتے ہیں، اب یہ آسانیاں اور سہولتیں کون نہیں چاہتا، یقیناً ہر شخص چاہتا ہے، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے خود ہم دارالإفتاء کی اہمیت پہچانیں، لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت بیٹھائیں اور لوگوں کو اس کے فوائد بتائیں، ان شاء اللہ ہر دارالإفتاء قوم مسلم کی بہترین خدمات کرتا ہوا نظر آئے گا اور ایسی بے نظیر خدمات پیش کرے گا جس کی قوم مسلم برسوں سے متلاشی ہے۔

ہم کبھی یہ سوچتے ہیں کہ ہمارے ضلع میں دارالإفتاء کی کیا ضرورت ہے، کبھی حاجت محسوس ہوئی؛ تو دوسرے ضلع کے دارالإفتاء سے رجوع کر لیں گے، ٹھیک ہے، ایسا ہو سکتا ہے مگر یہ اطمینان بخش سوچ نہیں ہے؛ کیوں کہ دارالإفتاء کی ضرورت صرف کبھی کبھی نہیں بلکہ ہمیشہ ہے اور دوسرے ضلع کے مفتی کے ذریعے ہمیشہ یہ کام ہونا ممکن نہیں، نیز آپ سوال بھیجیں گے، پھر جواب آئے گا، جواب آنے میں ہفتہ، مہینہ بلکہ کبھی مہینوں تاخیر ہو سکتی ہے؛ جس کی وجہ سے مقصود فوت ہو سکتا ہے، نیز دور حاضر میں خط بھیج کر جواب حاصل کرنا، ایک بھاری کام محسوس ہوتا ہے؛ جس کی وجہ سے نہ جانے کتنے لوگ دارالإفتاء کی طرف رجوع نہیں کرتے ہیں اور مزید یہ کہ تحریر کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا آمنے سامنے کا لوگ اثر قبول کرتے ہیں، مزید یہ کہ اس میں فیصلہ لینے میں آسانی ہوتی ہے؛ اسی لیے بھارت کا کورٹ بھی اس لیٹر سسٹم پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ اسلامی نظام بھی یہی ہے کہ لوگ قاضی کے پاس حاضر ہوں، پھر فیصلہ کیا جائے، مگر بھارت میں عام طور سے مسلمانوں کے حالات اتھل پتھل رہے؛ جس کی بنیاد پر اس کا کوئی خاص نظام نہیں بن سکا اور تھوڑا بہت بنا بھی؛ تو پورے طور سے منظّم نہیں ہو سکا؛ اس لیے آج کے دور میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ منظّم طور پر ہر ضلع میں دارالإفتاء والقضاء قائم کیا جائے تاکہ لوگ مفتی یا قاضی اسلام کے پاس جا کر اپنے دینی و دنیوی، ہر مسائل کو بسہولت حل کریں، عام طور سے دور دراز خط بھیجنے کی ضرورت محسوس نہ ہو، آمنے سامنے بات ہو تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو اور ساتھ ہی مقصود اصلی حاصل ہو کہ لوگ شریعت اسلامیہ کے مطابق عمل کر کے اپنی دنیا و آخرت، دونوں بہتر بنائیں، دور دراز سے مسائل حل کرنے میں اگر مگر وغیرہ کا بھی بہت زیادہ سہارا لینا پڑتا ہے؛ جس کی وجہ سے بعض دفعہ مسائل حل ہونے کے بجائے مزید لاینحل ہو جاتے ہیں؛ اس لیے اگر اپنے ضلع میں دارالإفتاء ہوگا؛ تو متحرک و فعال ہونے کی صورت میں اگر مگر کی ضرورت نہیں پڑے گی؛ کیوں دونوں فریق آمنے سامنے ہوں گے، دونوں فریق کی بات سن کر شریعت اسلامیہ کی روشنی میں فیصلہ سنا دیا جائے گا اور کہیں لوگ کسی وجہ سے نہ آسکیں؛ تو قاضی یا مفتی کے لیے اپنے ضلع میں ایسے لوگوں کے پاس جا کر فیصلہ کرنے اور مسئلہ حل کرنے میں کوئی خاص دقت محسوس نہیں ہوگی، ہاں اگر کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ وہ ضلع کے مفتی یا قاضی سے حل نہیں ہوتا؛ تو اب ضرور اپنے سے بڑے دارالإفتاء کی طرف رجوع کرنا چاہیے تاکہ مسئلے کی پیچیدگی مزید نہ بڑھنے پائے۔

☆☆☆

دین کی تبلیغ میں سلطان الہند کا داعیانہ کردار

مولانا سبطین رضا مصباحی کشن گنج بہار ریسرچ اسکالر البرکات علی گڑھ

اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اس کے فروغ واستحکام میں برصغیر ہندو پاک میں بڑے بڑے مفکر، محدث، مجدد پیدا ہوئے، یا وارد ہوئے جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دین وملت کی خدمت کا فریضہ انجام دیا- انھیں عبقری وعظیم اہل سلوک ومعرفت شخصیات میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتی سجزی علیہ الرحمہ بھی ہیں، جن کی روحانی اور علمی فیضان سے پورا عالم فیضیاب ہو رہا ہے_ جن کی ہر ہر ادا جہاں عشقِ رسول اور اصلاحِ فکر وعمل سے روشن ہے وہیں ملت کی تجدید واحیا کے باب میں آپ کی دعوت کا طریقہ واسلوب نمایاں ہے جس کی وجہ سے آپ کی زندگی دینی خدمات، احیائے دینِ متین اور اشاعتِ اسلام میں عبارت ہے، جن میں آپ کی زندگی کا سب سے اہم پہلو اسلام کے داعی کا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ 537ھ مطابق 1142ء ایران کے صوبہ سیستان کے علاقے سجز میں جلوہ گر ہوئے- طفولیت سے تقریباً شباب تک اپنے والدِ محترم کی آغوشِ محبت میں تربیت پاتے رہے، ابتدائی تعلیم والدِ گرامی کے زیرِ سایہ ہوئی، وطن سے نکل کر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے سمرقند وبخارا کا رخ کیا وہاں آپ نے مختلف علوم کا درس لیا، علوم شریعت کی تکمیل کے بعد سلوک ومعرفت کے مراحل کا آغاز فرما کر بزرگانِ دین سے اکتسابِ فیض کیا- آپ کے پیر ومرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے دست مبارک پر شرفِ بیعت سے فیض یاب ہوئے اس کے بعد آپ کے پیر ومرشد نے آپ کو خرقۂ خلافت بھی عنایت فرمایا، پھر آپ تقریباً بیس سال تک اپنے پیر ومرشد کے ہمراہ رہے، زیارتِ حرمین کے دوران بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو ہند کی ولایت عطا ہوئی، سرزمینِ ہند تشریف لانے کے بعد اجمیر شریف کو دعوت دین کا مرکز بنایا اور دینِ اسلام کی تبلیغ وترسیل کا آغاز فرمایا_ آپ کی انقلاب آفریں شخصیت تبلیغِ دین میں بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے جس میں دعوت کا مرکزی نقطہ جہاں آپ کا اخلاق وکردار تھا وہیں آپ کا زبردست طریق تبلیغ بھی تھا، اور دعوت کے فروغ واستحکام کے لیے ایک دعوتی مرکز کا ہونا تھا جس کے ذریعے آپ اور آپ کے خلفا نے اسلام کی تبلیغ کی اور نفاذ شریعت کا عمل موثر انداز میں انجام دیا جو بے مثال ہے۔

دانش گاہیں، تصنیف وتالیف، تقریر وخطابت، مساجد ومیڈیا دعوت وتبلیغ اور نشر واشاعت کے موثر ذرائع ہیں، لیکن موجودہ دور میں دعوتی مرکز یا دعوتی تنظیم کی اہمیت وافادیت سے انکار ممکن نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ کوئی بھی جماعت یا پارٹی اسی وقت ترقی کی راہ پر گام زن ہوتی ہے جب اس کے افراد منظم طریقے سے دین ومذہب کی نشر واشاعت کے لیے متحرک ہوتے ہیں اور ایک مرکز کے ذریعہ ذریعے وابستگان کی تربیت وتنظیم ہوتی ہے اور اسی مرکز کے ذریعے مذہب وملت کے فروغ واستحکام کی نئی راہیں تلاش کی جاتی ہیں_

چناں چہ دعوت کے اسی طریقہ کو حضرت خواجہ غریب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنایا اور اجمیر شریف کو دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا جس کا اثر یہ ہوا کہ لاکھوں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ نے جس موثر انداز میں بھارت کے طول وعرض میں اسلام کی بساط بچھائی اور اپنے خلفا کی ایسی جماعت تیار کی جنھوں نے بھارت کے کونے کونے میں جا کر اسلام کی تبلیغ کی، تبلیغ کا یہ طریقہ موجودہ دور میں داعیانِ اسلام کے لیے درسِ عمل ہے۔ چناں چہ آپ کے خلفا نے اکناف ہند میں مخلوقِ خدا کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اولا ایک تربیتی مرکز کی تعمیر کی پھر اسلام کی تعلیمات سے مخلوق خدا کی اصلاح کر کے ایک درجہ میں لا کر صف بندی کی عمارت کھڑی کی آپ کے اور آپ کے خلفا کی مثال حسنِ اخلاق اور جہد

مسلسل اور اس عمل پیہم میں یگانہ ہے اثر یہ ہوا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں آنے لگے اور اس طرح ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل ہوئی، لاکھوں لوگ اسلام کے دامنِ کرم میں آتے گئے

اس کو اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور میں اسلام کی تبلیغ ایک دعوتی مرکز کے ذریعے ہی کی تھی، دار ارقم اسلام قبول کرنے والوں کے لیے جہاں پناہ گاہ تھا، وہیں تبلیغ و تربیت کا ایک مرکز بھی تھا، چناں چہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے اجمیر شریف کو تبلیغ کا مرکز بنایا، اور لوگوں کی تربیت کے لیے اجمیر شریف کو اپنا تربیتی مرکز بنایا، اسی طرح آپ کے خلفا میں سے حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی نے دہلی میں، حضرت قاضی حمید الدین نے ناگور میں، حضرت بابا فرید گنج شکر نے پاکپتن میں، شیخ جمال الدین نے ہانسی میں، حضرت خواجہ فخر الدین نے سروار شریف میں، اور حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمھم اللہ علیہم اجمعین نے دہلی میں دعوتِ دین کا مرکز بنایا۔ (حیاتِ خواجہ غریب نواز، ص:36،37) اور لوگوں کو منصوبہ بندی کے ساتھ دین اسلام کے قریب لاتے رہے، ان مراکز کے ذریعے تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ لوگ کثیر تعداد میں اسلام کے دامن میں آتے گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے دین کے تبلیغی مشن کو جس دعوتی مرکز کے ذریعے فروغ دیا اسی کو عہد حاضر میں بھی عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔

عبادت و معیشت۔ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

از: مفتی سید شہباز اصدق چشتی دار العلوم قادریہ غریب نواز (ساؤتھ افریقہ)

مذہب اسلام نے جہاں عبادت و ریاضت کا پرزور حکم ارشاد فرمایا ہے وہیں معیشت کی بحالی کے لیے تگ و دو اور سعی پیہم کرنے کی بھی تلقین و تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلے کی چند احادیث ذیل میں دیدۂ عبرت نگاہ سپرد ہیے: صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

"اذا صلیتم الفجر فلا تناموا عن طلب ارزاقکم" (الجامع الصغیر۔ حدیث نمبر ۷۲۷) یعنی: جب نماز فجر پڑھ لو تو اپنے رزق کی تلاش سے غافل ہو کر سو نہ جاؤ۔

انس بن مالک کی روایت میں ہے "طلب الحلال واجب علی کل مسلم ۔ (المعجم الاوسط۔ ۱۶۸) یعنی رزق حلال حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں یہ بات دو دو چار کی طرح منقح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اقتصادی بدحالی دور کرنا اور اپنی معیشت کو بہتر بنانا اسلامی نقطۂ نظر سے درست بلکہ دین اسلام کا مطلوب ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوالے سے باضابطہ اصول وقوانین بھی بیان فرمائے ہیں اور طریقہ و آداب سے بھی روشناس کرایا ہے۔ جو اس وقت میرا موضوع نہیں۔ درج بالا احادیث کے ذکر کرنے سے میرا مقصود بس اس قدر ہے کہ اسلام نے رزق حلال کی تلاش اور ضروریات زندگی کے لیے جد و جہد کرنے پر زور دیا ہے، کیونکہ وہ انسانی فلاح و بہبود کے لیے ریڑھ کی ہڈی کے مترادف ہے کہ اس سے غفلت اور بے پرواہی سوائے نقصان و خسران کے کچھ نہیں۔ بلکہ قوم کے زوال و انحطاط کا سبب ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم معیشت اور اقتصادیات کی اہمیت وافادیت سے ملک وملت کو آگاہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بالخصوص اہل ہندوستان کے لیے تو اس علم (علم الاقتصاد) کا پڑھنا اور اس کے نتائج پر غور کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہاں مفلسی کی عام شکایت ہو رہی ہے۔ ہمارا ملک کامل تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی کمزوریوں اور نیز ان تمدنی اسباب سے بالکل ناواقف ہے جن کا جاننا قومی فلاح اور بہبودی کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ انسان کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جو قومیں اپنے تمدنی اور اقتصادی حالات سے غافل رہی ہیں ان کا حشر کیا ہوا ہے، ابھی حال میں مہاراجہ بڑودہ نے اپنی ایک گراں بہا تقریر

میں فرمایا تھا کہ اپنی موجودہ اقتصادی حالت کو سنوارنا ہماری تمام بیماریوں کا آخری نسخہ ہے اور اگر یہ نسخہ استعمال نہ کیا گیا تو ہماری بربادی یقینی ہے۔ پس اگر اہل ہندوستان دفتر اقوام میں اپنا نام قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اہم علم کے اصولوں سے آگاہی حاصل کر کے معلوم کریں کہ وہ کون سے اسباب ہیں جو ملکی عروج کے مانع ہو رہی ہیں۔''

(دیباچہ علم الاقتصاد ص ۵)

مسلمان ہونے کی حیثیت سے اخروی سعادت کے لیے عبادت وریاضت اور اطاعت خدا اور رسول لابدی ہے جبکہ اقوام عالم میں اپنی عظمت رفتہ بحال رکھنے کے لیے اقتصاد و معیشت کو بہتر سے بہتر بنانا بھی لازم وضروری ہے لیکن مقام تاسف ہے کہ عبات و معیشت ہر دو شعبہ میں حیرت انگیز حد تک مسلم طبقہ غفلت کا شکار ہے۔ نہ ہم عبادت ورضا ئیرب کی طرف مائل ہیں اور نہ ہی معیشت واقتصادیات کے میدان میں ہماری کوئی کارکردگی ہے۔ عبادت سے تغافل وتکسال کا حال تو ناگفتہ بھی ہے۔ برسوں پہلے عبادت سے مسلمانوں کی بے رغبتی کا رونا روتے ہوئے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے — من اپنا پرانا پاپی تھا برسوں میں نمازی بن نہ سکا

باجماعت مسجد میں نماز پڑھنے والوں پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ نماز پنجگانہ کے وقت کا مسجد کے اندر جماعت حال افسوس ناک ہوتا ہے معدود چند کے اکثر لوگ جماعت سے غیر حاضر رہتے ہیں، مسجد سونی پڑی رہتی ہیں جبکہ نماز کے اوقات میں لوگ ہوٹل پر گپ کرتے اور نوجوان سڑکوں پر گھومتے نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں کی اسی بے حسی کا تذکرہ کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ شعری زبان میں فرماتے ہیں:

دن لہو میں کھونا تجھے، شب صبح تک سونا تجھے — شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ظاہر ہے کہ جس قوم کا دن لہو ولعب میں گزرے گا اور شب صبح تک سونے میں بسر ہوگی وہ قوم نہ عبادت کر کے اپنے رب کو راضی کرسکتی ہے اور نہ معیشت کے میدان میں غیر معمولی کردار ادا کر کے ملت کے لیے باعث تسکین ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ کہ ہندی مسلمان اس وقت معاشی واقتصادی بحران سے دوچار ہیں۔ تعلیم سے ہم دور ہیں، علم الاقتصاد سے ہمارا دور کا واسطہ نہیں۔ ہنر سے ہم خالی ہیں۔ جدوجہد ہمارا مزاج نہیں۔ مسلمانوں کی معاشی واقتصادی بدحالی کے حوالے سچر کمیٹی کی رپورٹ پڑھ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق مسلمان ہندوستان کی سب سے پچھڑی قوم ہے اور جس کی معاشی حالت انتہائی افسوسناک ہے۔ گوکہ اس سلسلے میں حکومت کا رویہ ناقابل بیان ہے لیکن مسلمانوں کی غفلت وبیتوجہی بھی کچھ کم نہیں۔ ہم جو کچھ کر سکتے ہیں وہ بھی نہیں کرتے۔ غفلت اور تضیع اوقات ہماری فطرت ثانیہ بن ہو چکی ہے، جب تک ہم اپنی اس بیماری کا علاج نہیں کرتے اور تضیع اوقات اور تکسال وتغال سے باہر نہیں نکلتے ہم یوں ہی ذلیل وخوار ہوتے رہیں گے۔ نہ ہم اخروی سعادت سے بہرور ہوسکیں گے اور نہ ہی دنیا میں اپنی عظمت رفتہ حاصل کرسکیں گے۔ اقبال نے سچی بات کہی

رمز باریکش بحرفے مضمر است — تو اگر دیگر شوی او دیگر است

صدقات نافلہ اور مسلمانوں کے فلاحی کام

مولانا محمد احمد حسن سعدی امجدی ریسرچ اسکالر: البرکات انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ۔

صدقہ: یعنی ہر وہ چیز ہے جسے فقراء اور محتاج کو اللہ کا قرب اور اس کی رضا اور ثواب کی نیت سے دیا جائے وہ صدقہ ہے۔

صدقہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں: صدقہ واجبہ جو زکوۃ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، فقہاء کرام کے مطابق مال کی ایک متعینہ حد ہوتی ہے جس کے لیے حولانِ حول شرط ہے، لہٰذا جب یہ چیزیں پائی جائیں تو کل جمع مال کا ڈھائی فیصد اسلام کے مطابق غربا اور فقرا کا حق ہے، یوں ہی

ہر سال عید الفطر کے موقع پر جو صدقہ فطر ادا کیا جاتا ہے وہ بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے زکوۃ کے مصارف یعنی زکاۃ کس کو دیا جائے، انہیں تفصیلی طور پر بیان فرمادیا ہے۔

یہ صدقہ واجبہ ہے، جسے مسلمان ہر سال خوشی خوشی اپنی جائز کمائی سے نکالتے ہیں، جو کہ غربا اور مساکین کے لیے زندگی گزارنے میں بہت ہی معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے، ساتھ ہی ہندو پاک کے اکثر مدارس اسلامیہ کا انحصار بھی مسلمانوں کی سالانہ زکوۃ پر ہی ہے۔

صدقہ نافلہ:

صدقہ واجبہ کی ادائیگی کے بعد اگر فقرا اور مساکین پر کچھ مزید خرچ کرنا چاہے، اور اس کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو تو اسے صدقہ نافلہ کہتے ہیں۔صدقہ نافلہ کے حوالے سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الصَّدقةُ تُطفيءُ غضَبَ الرَّبِّ وتدفَعُ مِيتةَ السُّوءِ

صدقہ اللہ رب العزت کے غضب کو ختم کرتا ہے اور برے خاتمے سے بچاتا ہے، (صحیح ابن حبان 3309)

اس کے علاوہ بھی صدقہ نافلہ کے بے شمار دنیوی اور اخروی فوائد ہیں، جنھیں احادیث میں صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔

لہٰذا جہاں تک ہو سکے ہمیں صدقات نافلہ کا اہتمام کرنا چاہیے، کیونکہ ہمارے معاشرے میں اب بھی ایسے لاتعداد افراد ہیں جو غربت و افلاس کے سائے میں گھٹ گھٹ کر اپنی زندگی بسر کر لیتے ہیں لیکن اپنی عزت نفس کی خاطر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارا نہیں کرتے۔تو ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم ان کی عزتِ نفس کا خیال کریں اور اپنی جائز کمائی سے ان غرباء اور مساکین کے لیے بھی مدد فراہم کریں، کیونکہ امرا حضرات کو اللہ کی طرف سے جو مال و دولت اور رزق میں برکت پہنچتی ہے وہ بھی غریبوں ہی کے طفیل ہے۔

لہٰذا اللہ کے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

أبغوني الضُّعفاءَ، فإنَّما تُرزَقونَ وتُنصَرونَ بضُعفائِكُم. ترجمہ: تم مجھے کمزوروں یعنی غریبوں اور مسکینوں میں تلاش کرو، کیونکہ تم لوگ جو رزق دیے جاتے ہو اور جو تمہیں مدد اور نصرت پہنچتی ہے، وہ تمہارے کمزوروں ہی کی مرہون منت ہے۔(جامع ترمذی، 1702)

لہٰذا ہمارے معاشرے کے امرا حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی ضروریات کے علاوہ کی رقم سے کسی غریب کی زندگی کو خوش حال بنائیں اور دونوں جہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہوں۔

ذیل میں صدقات نافلہ کے چند بہترین مصارف ذکر کیے جاتے ہیں:

غریب بچیوں کی شادی کرانا:

عصر حاضر میں غریب بچیوں کی شادی کا مسئلہ ایک مشکل ترین المیہ بنتا جا رہا ہے، جس کی سب سے بڑی وجہ معاشرے میں لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کا بیجا مطالبہ اور زیادہ باراتی لانے کی ضد ہے، ایسے میں ایک غریب آدمی، جس کے گھر کا چولہا اس کے روزانہ دن کی محنت سے چلتا ہے تو ظاہر ہے کہ بیٹی کی شادی میں جہیز اور باراتیوں کے کھانے اور دیگر چیزوں کا انتظام و انصرام کرنا اس کی استطاعت سے باہر ہے، اور وہ اس کام کے لیے کسی سے قرض بھی نہیں لے سکتا، کیونکہ قرض دینے والا بھی جانتا ہے یہ میرا مال کہاں سے لوٹائے گا، جس کے نتیجے میں کچھ والدین جلد بازی میں خودکشی بھی کر لیتے ہیں جیسا کہ سوشل میڈیا کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے۔

لہٰذا اب مالداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے میں ایسے مجبور و بے سہارا والدین کے ساتھ ہمدردی اور مواسات کا معاملہ کرتے ہوئے ان کی بیٹی کی شادی کا ذمہ اپنے سر لے لیں، یا چند لوگ اس بات پر متفق ہو کر مجموعی مدد سے ایسی بچیوں کی شادیاں کرائیں تو یہ ایک بہتر

معاشرے کی تشکیل میں اہم قدم ہوگا، اور یہ وقت کی انتہائی اور اہم ترین ضرورتوں میں سے ہے۔

بلکہ راقم الحروف کے مطابق صدقات نافلہ کا اس سے اچھا مصرف ہو ہی نہیں سکتا، کہ آپ کی وجہ سے کسی غریب بچی کے ہاتھ پیلے ہوں گے، معاشرے میں ایک نیا گھر بس جائے گا، آپ کی وجہ سے ایک غریب کے سر سے اس کی بیٹی کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا، اور اس کے بدلے ہمیں یقینی طور سے اللہ رب العزت کی جانب سے دنیا اور آخرت میں سرخروئی حاصل ہوگی۔

غریب بچوں کی تعلیم وتربیت:

دور حاضر میں بچوں کی تعلیم دن بدن مہنگی ہوتی جارہی ہے، صاحب استطاعت حضرات تو اپنے بچوں کو باسانی اعلی تعلیم سے آراستہ کر دیتے ہیں، لیکن غریب والدین کے لئے بچوں کو اچھی تعلیم دینا انتہائی مشکل اور دشوار ترین امر ثابت ہورہا ہے، جس کا نتیجہ یہ کہ معاشرے میں child labour یعنی بچہ مزدوری کی شرح میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، ایک غریب باپ کے لیے دو وقت کی روٹی کا انتظام کرنا ہی مشکل تھا، وہ بچوں کی تعلیم کے لیے اخراجات کہاں سے لائے گا؟ لہٰذا بچے اپنا بچپن محلے اور گاؤں کی گلیوں میں گھوم پھر کر گزار دیتے ہیں، پھر جب کچھ سوچنے سمجھنے کے لائق ہوتے ہیں، تو ان کے والدین مجبوری میں انہیں کسی چائے وغیرہ کی دکانوں پر گلاس دھونے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، جس سے ان بچوں کا مستقبل تباہ وبرباد ہوجاتا ہے، اور یہ ایک حساس معاملہ ہے کیونکہ بچے معاشرے کا مستقبل ہوا کرتے ہیں اور بچوں کا تعلیم سے دور رہنا ہمارے معاشرے کو انحطاط و پستی کی طرف لے کر جاسکتا ہے۔

لہٰذا ہمارے امرا حضرات اگر چاہیں تو اپنی امداد سے غریب بچوں کی زندگی روشن و تابناک بنا سکتے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ اپنے صدقات نافلہ سے غریب بچوں کی تعلیم وتربیت میں مدد کریں، جس سے ان بچوں کا مستقبل روشن و تابناک ہو سکے اور وہ ہمارے اور پورے معاشرے کے لیے ایک اعلی مثال بن سکیں۔

پسماندہ علاقوں میں پکے مکانات تعمیر کرانا:

اس وقت ہمارے معاشرے میں ایسے بیشتر غریب افراد ہیں جو غربت کے باعث پکے مکانات سے محروم ہیں اور افسوس کہ ٹین یا چھپر سے بنے کچے مکانات میں دشوار ترین زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، جو کہ سخت موسم کا مقابلہ کرنے کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتا، بلکہ بارش کے موسم میں گھر والے بارش کے قطرات سے پریشان رہتے ہیں اور جاڑے اور گرمی میں بھی اس میں رہنا مشکل ہوجاتا ہے۔ تو اس کے لیے بھی ہمارے معاشرے کے صاحب استطاعت حضرات آگے آئیں اور اپنے صدقات نافلہ سے غریبوں کے لئے مکانات تعمیر کریں، ان شاء اللہ یہ کام ہماری مغفرت کا ذریعہ ہوگا۔

ہم میں کا ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اس طرح کے فلاحی اور تعمیری کام موجودہ حکومت کے ذمہ ہوتے ہیں، کیونکہ حکومت اپنا کام صحیح ڈھنگ سے ادا نہیں کر رہی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ہمیں معاشرے کی تعمیر وترقی اور ہر ایک زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے صدقات نافلہ کا استعمال کرنا ہوگا، اس کی اہمیت وضرورت کو سمجھ کر عوام کو اس کی طرف راغب کرنا ہوگا، اور ہمارا اسلام بھی ہم سے خدمت خلق کا مطالبہ کرتا ہے تو ہمیں اس کام کو خدمت خلق سمجھ کر غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنی ہوگی۔

اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ ہمیں اپنی جائز کمائی سے غربا اور فقرا کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمیں صدقات واجبہ کے ساتھ صدقات نافلہ کے بھی اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

R.N.I. No. DELURD/2015/65657 Posted at RMS Postal Registration: DL (DG-11) 8085/2021-23
Publishing Date: 20-02-2021 Total 56 Page with Title Cover
Posting Date. 21&22 Same Month **Paigam e Shariat** Monthly Weight 95 Grams
Vo: 06 Issue: 02 March: 2021

حضور صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت علیہ الرحمہ کی علمی یادگار

فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب جدید

حضور صدالشریعہ علیہ الرحمہ کی علمی یادگاروں میں بہار شریعت کے بعد سب سے اہم ان کے فتاویٰ ہیں، جن کو مفتی عبدالمنان کلیمی مدظلہ نے مرتب کیا، حضور شارح بخاری علیہ الرحمہ اور مفتی آل مصطفیٰ مصباحی کے حواشی کے ساتھ شہزادہ محدث کبیر حضرت مولانا علاء المصطفیٰ صاحب کی کوششوں سے اس کی چاروں جلدیں طبع ہوکر بہت پہلے منظر عام پر آچکی ہیں۔ یہ فتاویٰ امجدیہ کا نقش اول تھا۔ اب نبیرۂ صدرالشریعہ مفتی فیضان المصطفیٰ صاحب کی تحریک اور زیر نگرانی اس کی ترتیب جدید جاری ہے، کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ نئے ڈھنگ سے اس کی پیرابندی اور سیٹنگ ہو رہی ہے۔ جس میں عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ اور ان کی تخریجات کے ساتھ جہاں جہاں مزید حواشی کی ضرورت محسوس ہوگی وہاں حاشیہ کا اضافہ کیا جائے گا۔ اس پر مسلسل کام جاری ہے۔ امید ہے کہ اسی سال نئی شان بان کے ساتھ چھ یا سات جلدوں میں منظر عام پر آجائے گی۔ قارئین سے گزارش ہے کہ حضور صدرالشریعہ کا کوئی فتویٰ کسی کے علم میں ہو جو اس میں شامل نہ ہو سکا ہو تو ہمیں آگاہ کریں، اور اس تعلق سے مفید مشوروں سے بھی نوازیں۔

”مقالات خواجہ علم وفن“ کی ترتیب جدید

”مقالات خواجہ علم وفن“ کی ترتیب جدید بھی فائنل مرحلے میں ہے، جو علامۂ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ کے فنی مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس کا نقش اول امیر القلم قبلہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے اپنی کوششوں سے ترتیب دیا تھا۔ مفتی محمد اسلم رضا شیوانی ابوظبی، اور مفتی فیضان المصطفیٰ قادری کی مشترک کوششوں سے اس کی از سر نو ترتیب پر ایک عرصہ سے کام جاری ہے، اب یہ ترتیب آخری مرحلے میں ہے، اصلاح اغلاط، حسب ضرورت حواشی، تخریج عبارات اور مفصل مقدمہ کے ساتھ عن قریب یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے۔ جن لوگوں نے نقش اول کے مشمولات دیکھے ہوں ان سے گزارش ہے کہ اگر کوئی مقالہ اس میں شامل ہونے سے رہ گیا ہو اور وہ دستیاب ہو سکے تو ہمیں فراہم کرائیں، تا کہ اس میں شامل کر لیا جائے۔

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Kumail
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/S Moni Printin Press**
3622 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No. 422, 1st Floor, Gali Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006